میری عینک

(مترجمہ)

مولانا ظفر علیخاں - بی - اے

(ناشر)

رضوی اینڈ کمپنی ناشران و تاجران کتب
نظام شاہی روڈ حیدر آباد دکن
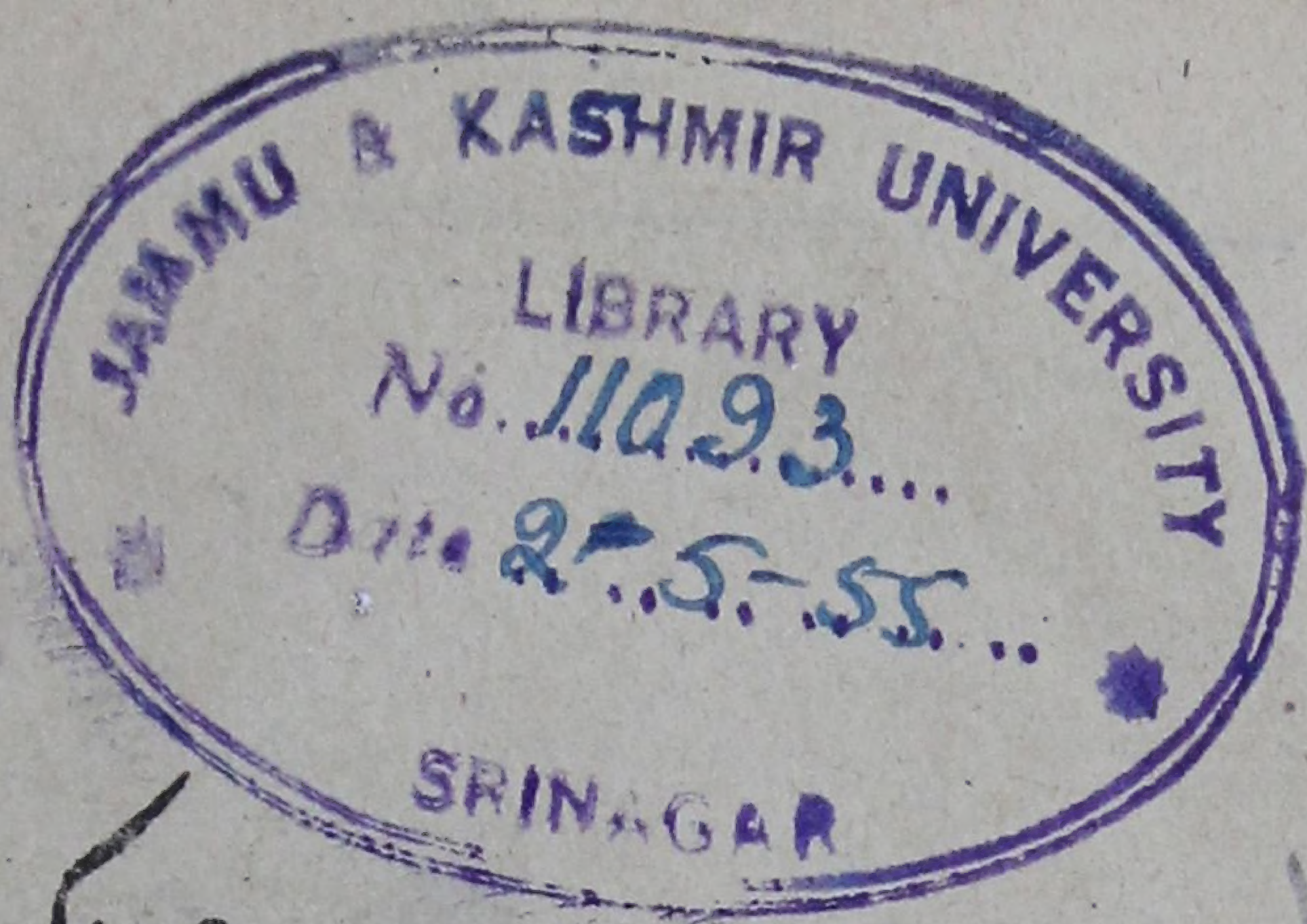
۸/

میری عینک

مترجمہ۔ مولانا ظفر علی خاں۔ بی۔ اے

خالاؤں کا مارا۔ آغا

مترجمہ نواب نصیر حسین خیال

سرپرے ۵

مترجمہ۔ ساحل بلگرامی

سرِ بُریدہ

کوچۂ دیان شہر فنطنہ ارز

یکم ستمبر ۱۸۴۲ء کو مجھے ایک دوست نے فنطنہ ارز میں شکار کھیلنے کیلئے بلایا۔ مجھکو اس جوانی کے عالم میں شکار کھیلنے کا بے حد شوق تھا۔ اس وجہ سے ہر سال میرے دوست فرانس کے دور دراز مقامات سے بلایا کرتے تھے۔ اور میں ہر مرتبہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ کس کی دعوت قبول کروں؞

اس سال میں نے فنطنہ ارز کے سفر کو اس سبب سے کہ اُس کے قرب وجوار میں شکار کی کثرت تھی اور اسوقت تک میں نے اس کو دیکھا بھی نہ تھا ترجیح دی باوجودیکہ میں خود پیرس کے باشندوں میں سے ہوں اور سیکڑوں کوس سیر و سیاحت کی ہے لیکن پیرس کے اطراف وجوانب کے مقامات کو نہ پہچانتا تھا۔ چھ بجے شام کے میں ریل گاڑی میں سوار ہو کر فنطنہ ارز کو روانہ ہوا۔ اور راستہ میں قرب وجوار کے سبزہ زار اور مناظر کو بغور دیکھتا چلا جاتا تھا؞

ساڑھے آٹھ بجے کے قریب میں قصبۂ مذکور میں پہنچا۔ معزز میزبان نے نہایت معقول اور لذیذ کھانا تیار کر رکھا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد میں اپنے دوست کے ساتھ باغ میں گیا؞

اس موقع پر میں مجبور ہوں کہ مختصر طور پر اس قصبہ کی خوبی و خوبصورتی

قارئین کرام کی خدمت میں پیش کروں۔ اس آبادی کے تمام مکانوں کے کناروں پر سرخ پھولوں کی جھاڑیاں اُگی ہوئی ہیں۔ اور مرور ایام سے مکانوں کی دیواروں کو بالکل ڈھک لیا ہے۔ اور اوپر سے نیچے تک پھولوں کا ایک قطعہ نظر آتا ہے۔ ایسا خوبصورت منظر تھا کہ آنکھ اُس کے دیکھنے سے سیر نہ ہوتی تھی۔ افسوس کہ رفتہ رفتہ اندھیرا سا ہو گیا۔ اور پھر کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی صرف دور سے گاؤں کی آبادی نظر آتی تھی۔ اور بہت فاصلہ سے شہر پیرس کے شور وغل کی آواز آرہی تھی۔ کچھ دیر بات چیت اور تفریح کرنے کے بعد اپنے دوست کے ساتھ سونے کے واسطے مکان واپس ہوا۔

صبح سویرے صاحب خانہ کے بیٹے کے ساتھ شکار کے واسطے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ بدقسمتی سے ظہر تک کوئی شکار ہاتھ نہ آیا۔ دونوں دوست حسرت ویاس کے عالم میں تکان دور کرنے کے لئے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ مدت تک انتظار کرنے کے بعد ایک خرگوش دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا۔ دونوں نے ایک ساتھ اس پر گولی چلائی اور دونوں نشانے خالی گئے۔ خرگوش ایک مضحکہ آمیز حالت میں کودتا ہوا۔ ہمارے سامنے سے نکل گیا۔ میں اُس وقت کی حالت نہیں بیان کر سکتا۔ خالی ہاتھ۔ سر جھکائے عرق خجالت میں ڈوبے ہوئے مکان کی جانب روانہ ہوئے۔ شہر کے کنارے ایک راستہ پر پہنچے جہاں دو سڑکیں ملتی تھیں۔ ناگاہ ایک شخص پھٹے کپڑے پہنے مدہوش ہماری طرف دوڑتا آرہا ہے۔ میں نے بندوق سنبھالی اور حفاظت کے لئے کھڑا ہو گیا۔ جونہی کہ وہ میرے نزدیک آیا میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ اور تمام ہونٹ خون آلود ہیں۔ بڑی پھرتی سے

وہ میرے سامنے سے نکل گیا۔ اور بالکل ہم سے تعرض نہ کیا۔ مجھے اس شخص کی اس عجیب حالت سے شک پیدا ہوا اور سوچا کہ شاید اس نے کوئی قتل کیا ہے۔ فوراً میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ اسی وحشتناک حالت میں اس مکان پر پہنچا۔ جس پر نمبر ۲ لگا ہوا تھا۔ بڑی تیزی سے اس نے گھنٹی کی ڈوری کھینچی۔ دروازہ کھلا اور وہ چوکھٹ پر بیٹھ گیا۔
اس اثنا میں اور چند آدمی بھی جنہوں نے اسکو پریشان حال دیکھ کر شک کیا تھا۔ گھنٹی کی آواز سنکر ادھر اُدھر سے آگئے۔ تھوڑی دیر بعد دوسری منزل کی کھڑکی کھلی اور ایک چالیس پینتالیس سال کی عورت دکھائی دی؛

آہ مسٹر جیکمن! آپ ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا۔ جی ہاں میں ہوں؛ مجسٹریٹ صاحب تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟
چند منٹ بعد مجسٹریٹ صاحب دو آدمیوں کے ساتھ صحن میں آئے مجسٹریٹ صاحب کے ان دو ہمراہیوں کو بھی ہم آگے چل کر پہچان لیں گے

پولیس کی دَوِش

مجسٹریٹ جو اس وقت تک سب کو پریشان حال دیکھ رہا تھا جب کسی قدر مطمئن ہوا۔ جیکمن کی طرف مخاطب ہوا:۔
مسٹر جیکمن۔ میں امید کرتا ہوں کہ میری خادمہ نے غلط کہا ہوگا۔ کہ تم نے اپنی بیوی کو قتل کر ڈالا۔
جیکمن۔ مجسٹریٹ صاحب بدقسمتی سے اس نے واقعہ بیان کیا ہے۔ جتنا جلد ممکن ہو مجھے قید خانے بھیجدیجئے؛

یہ الفاظ کہنے کے بعد مثل گھڑی کے فنر کے اپنی جگہ سے اُچھ کر اسطرح
زمین پر گر پڑا گویا کہ اس کے بدن کی تمام ہڈیاں چور چور ہو گئی ہیں +
مجسٹریٹ نے اس سے کہا - کیا تو پاگل ہو گیا ہے ؟
جیکمین نے جواب دینے کے بجائے اپنے خون آلود ہاتھ مجسٹریٹ کو دکھائے
آہ! خدایا - ان دو خون آلود ہاتھوں نے لوگوں کو کسقدر متوحش کیا - داہنا
ہاتھ پہنچے تک اور بایاں بازو تک آلودہ تھا - اس کے علاوہ داہنی انگلی
پوروں سے تازہ خون جاری تھا - اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مقتول نے
جانکنی کے وقت جلاد کے لئے یہ نشانی چھوڑدی ہے -
اثنائے گفتگو میں پولیس کے دو سوار آکر اس شخص سے دس قدم کے
فاصلہ پر باقاعدہ کھڑے ہو گئے - اور مجسٹریٹ کے اشارے پر دونوں پیادہ
ہو گئے - جیکمین کی مشکیں باندھ لیں اُس نے بھی بغیر کسی مزاحمت کے
منظور کرلیا - گویا وہ اس عالم ہی میں نہ تھا - اور صرف ایک ہولناک
منظر سے اس کے ہوش و حواس جاتے رہے تھے - چند منٹ کے بعد
اُس حلقہ کا تھانہ دار مع ایک ڈاکٹر کے موقع پر آپہنچا - مجسٹریٹ نے کہا
آئیے مسٹر رابرٹ - تشریف لائیے - مسٹر کرزن (مسٹر رابرٹ ڈاکٹر اور
مسٹر کرزن تھانہ دار) اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئے - ابھی میں
آپ صاحبان کو بلانے کے لئے آدمی بھیجنا چاہتا تھا +
جی ہاں اچونکہ ہم نے سنا کہ خدانخواستہ کوئی قتل ہو گیا ہے -
ہم خود جلدی سے آگئے کہ دیکھیں کیا معاملہ ہے - اس تمام گفتگو کے
درمیان میں جیکمین بالکل بے حس و حرکت کھڑا رہا +
مسٹر رابرٹ - جیکمین - کہتے ہیں کہ تم نے اپنی بیوی کو قتل کر ڈالا ہے -

اس نے بالکل جواب نہ دیا۔

مجسٹریٹ۔ اگرچہ اس نے خود ارتکاب جرم کا اقرار کیا ہے۔ مگر میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کچھ اصلیت نہ ہوگی۔ اور اس نے دیوانگی اور جنون کی حالت میں یہ سب کچھ کیا ہے۔

تھانہ دار۔ جیکمین جواب دو۔ کیا تم بغیر کسی دوسرے کی مدد کے اس فعل کے مرتکب ہوئے ہو۔ وہی سکوت اور خاموشی۔

ڈاکٹر۔ بہرحال موقع پر چلکر آنکھ سے دیکھنا چاہئے۔ شاید جیکمین کا مکان پولیس کی چوکی کے راستہ میں نہیں ہے۔

حاضرین نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ بہت اچھا مسٹر لڈر (مجسٹریٹ) چلنا چاہئے۔

اکدم جیکمین نے اس شخص کی طرح جس نے کوئی وحشتناک خواب دیکھا ہو ہاتھ پاؤں مارنا شروع کئے اور فریاد کی۔ نہیں۔ نہیں۔ میں ہرگز نہیں چلونگا ممکن نہیں کہ اپنی جگہ سے ایک قدم بھی اٹھاؤں۔ اسی جگہ مجکو سزا دے دو۔ یہ کہکر بھاگنا چاہا۔

مجسٹریٹ۔ آخر تو کس وجہ سے ساتھ نہیں چلتا۔

جیکمین۔ ایسی حالت میں کہ میں خود ہر بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نے خود اپنے ہاتھ سے اُس خنجر سے جو سال گذشتہ بغاوت کے موقع پر توپخانہ کے عجائب گھر سے حاصل کیا تھا دو دستی وار میں قتل کیا ہے۔ پھر آپ کس لئے مجکو وہاں لئے جاتے ہیں۔ جلد بہت جلد مجکو سزا دیجئے۔

تھانہ دار۔ آخر مسٹر جیکمین! میرے عزیز دوست۔ تم یہ تو جانتے ہی ہو کہ قانون کا منشا یہ ہے کہ تم کو تمہاری بیوی کے روبرو کیا جائے۔ اور ہم اس حکم سے مجبور ہیں۔

اور اب جبکہ تم خود قتل کا اقرار کرتے ہو ضروری ہے کہ نمایندگان قانون کی رہنمائی کرو اور تم خود ہم کو اس مقام پر لے چلو۔

جیکمن۔ عدالت و قانون ایسی حالت میں جبکہ میں خود تمام باتوں کا پتہ بتاتا ہوں میری کیا ضرورت رکھتے ہیں۔ اسوقت تک نعش زمین کے اندر اور سر بریدہ بھی اس کے نزدیک چونے کی تھیلی میں موجود ہے اور میں پھر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ساتھ نہ لیجائیے۔

تھانہ دار۔ ہم اصرار نہیں کرتے مگر قانون مجبور کرتا ہے کہ تم ہمارے ساتھ چلو۔

جیکمن۔ آہ۔ خدایا خدایا۔ اگر میں یہ جانتا......

تھانہ دار۔ اگر جانتے تو کیا کرتے اپنے آپ کو مار ڈالتے۔ مجسٹریٹ نے تعجب سے حاضرین کی طرف دیکھا۔ سر کو ہلایا۔ گویا کہ وہ اپنے خیال میں مضبوط بنے اور مسکرا کر قاتل سے خطاب کیا۔ میرے دوست۔ معلوم ہوتا ہے کہ بدقسمتی جس کو میں تیرے اندر علامت جنون تصور کرتا تھا وہ حقیقت واصلیت رکھتی ہے۔ پس میری خواہش ہے کہ تم واقعہ کی اصلیت بیان کردو۔

جیکمن۔ بہت اچھا منظور ہے۔ مجسٹریٹ صاحب آپ جیسے شخص سے سچا واقعہ بیان کر دونگا۔ آپ پوچھیئے میں جواب دونگا۔

مجسٹریٹ۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم نے خود قتل کی جرأت کی اور اب اپنے مقتول کے روبرو ہونا نہیں چاہتے۔ یقیناً تمہارے اور مقتول کے درمیان کوئی عجیب واقعہ پیش آیا ہے۔

جیکمن۔ جی ہاں۔ مجسٹریٹ صاحب! ایک ایسا ہولناک واقعہ ہوا ہے کہ ابھی تک میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہیں۔ افسوس اگر میں اصلیت و حقیقت کو آپ سے بیان کروں تو آپ ہرگز باور نہ کریں گے۔ اور کہیں گے

کہ یہ شخص دیوانہ ہو گیا ہے۔

مجسٹریٹ۔ بہرحال بیان کرو۔ تم پر کیا گذری۔

جیک۔ جب آپ نے یقین کر لیا۔ تو سنئے۔ میری بیوی کے سر نے اس کے جسم سے جدا ہونے کے بعد مجھ سے بات چیت کی۔ جناب جس وقت میں نے سر کو کاٹا اس کی آنکھیں کھلیں۔ ہونٹوں نے حرکت کی اور نہایت شدید سے اس نے اپنے لب سے یہ الفاظ ادا کئے "بدبخت میں بالکل بے گناہ تھی" جیک من کی صورت اثنائے گفتگو میں نہایت ہولناک اور وحشت خیز ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر۔ آہ آہ۔ سر بریدہ کس طرح بول سکتا ہے۔ ہرگز کوئی شخص یقین نہیں کر سکتا۔

جیکمن۔ مجسٹریٹ صاحب میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ اس کو جنون اور دیوانہ پن تصور کریں گے +

تھانہ دار۔ بس ضروری ہے کہ موقع واردات پر پہنچیں۔ اور حاکمانہ لہجہ میں کہا:۔

سپاہیو۔ جیکمن کو ہمراہ لاؤ۔

جونہی سپاہیوں نے چاہا کہ جیکمن کو زبردستی ہمراہ لیجائیں۔ قاتل نے لڑنا جھگڑنا شروع کیا نہیں۔ نہیں۔ میں ہرگز نہ جاؤں گا۔ میرا سر بھی کاٹ لو۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ مگر میں وہاں نہ جاؤنگا۔

مجسٹریٹ۔ ٹھیک کہے۔ مسٹر جیکمن۔ اپنی طاقت کو رہائی کے لئے صرف نہ کرو۔ کیونکہ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور اگر تم راضی سے ساتھ نہ چلوگے تو تم کو مجبوراً جانا پڑے گا۔ شاید تمہارا مقتول کے سامنے جانا تمہاری اور

دوسروں کی تنبیہہ کا باعث ہوا اور اس کے بعد ایسے وحشیانہ واقعات بہت کم ظہور میں آئیں؛

جیکسن۔ بہت اچھا مگر اس شرط پر کہ جب تک آپ زمین کے اندر قیام کریں مجکو اپنے سے جدا نہ کریں؛

مجسٹریٹ۔ اس میں تم سے وعدہ کرتا ہوں؛

ج۔ مجھے آپ اجازت دیجئے۔ کہ میں آپ کا ہاتھ پکڑ لوں؛

م۔ بس جناب اب ہم سب کو چلنا چاہئے۔ سب لوگ چلدیئے۔ تھانہ دار ڈاکٹر کے ساتھ آگے آگے۔ قاتل دو سپاہیوں کے ساتھ وسط میں اور مجسٹریٹ اُن دو آدمیوں کے ساتھ جو سب سے پہلے مجسٹریٹ کے مکان پہنچے تھے۔ اور ان کے پیچھے تمام محلہ کے رہنے والے مقتل کی جانب چلدیئے اور میں بھی اُنہی لوگوں میں شامل تھا؛

کئی منٹ راستہ چلنے کے بعد پولیس کی چوکی پر پہنچ گئے۔ جو راستہ کے بائیں جانب تھی۔ اس گلی کے کنارے پر ایک مرد انا ٹوٹا ہوا دروازہ دکھائی دیتا تھا۔ تمام اس کے اندر داخل ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ جیکسن کا مکان ہے۔ غضب کا سکوت تمام فضا کا احاطہ کیا ہوئے تھا۔ اور اس گھر کا منظر بالکل خاموش معلوم ہوتا تھا۔ سُرخ پھولوں کی جھاڑی دروازہ پر آنیوالوں کا استقبال کر رہی تھی۔ صرف ایک ابلق بلی چبوترہ پر لیٹی ہوئی دھوپ کھا رہی تھی۔ اور اس جماعت کے آتے ہی بھاگ کر مکان کے اندر چلی گئی۔ جیکسن دروازہ کے سامنے کھڑا تھا۔ اور مجسٹریٹ کا وعدہ یاد دلاتا تھا۔ کہ گھر کے اندر داخل ہو کر اس سے علیحدہ نہ ہو۔ مجسٹریٹ نے بھی اپنے قول کو پورا کیا۔ قاتل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر مکان میں داخل ہوا۔

چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ جیکمن کی جو حالت مکان کے اندر داخل ہوتے وقت تھی اس کو بیان کروں مگر قلم عاجز اور زبان قاصر ہے - ایک مجسمۂ حیرت - ایک قالب بے روح اور بت کی طرح حرکت کر رہا تھا - اول داروغہ پولیس مع ڈاکٹر مکان کے اندر داخل ہوا - اس کے بعد مجسٹریٹ مع دو سپاہیوں اور اپنے چند دوستوں کے ساتھ اندر گیا - میں بھی پولیس کی تھوڑی سی صاحب سلامت کی وجہ سے جو شکار کے موقع پر جنگل میں ہو گئی تھی - بغیر کسی مزاحمت کے اندر چلا گیا - اور باقی تماشائیوں کو جگہ نہ ہونے کی وجہ سے اندر آنے کو منع کر دیا - اور گھر کا دروازہ بند کر دیا کچہری کے آدمی بھی اس عمارت کی جانب چلدیئے - مکان کی حالت سے کسی طرح اس ہولناک قتل کا پتہ نہ چلتا تھا - ہر چیز خوبی سے اپنی جگہ رکھی ہوئی تھی - چارپائی مناسب طریقہ سے اپنی جگہ بچھی ہوئی تھی - اور تخت پر لکڑی کی صلیب مع شمشاد کی شاخ کے برکت کے لئے رکھی تھی انگیٹھی کے سامنے حضرت عیسیٰ کا مجسمہ موم کا بنا ہوا خشک پھولوں کے اندر رکھا تھا - اور اس کے دونوں طرف لوہے کے شمعدان لوئی شانزدہم عہد کے نمونہ کے رکھے تھے - اور چاروں طرف کرۂ زمین کے چار رنگین نقشے سیاہ قابوں میں رکھے تھے - کمرہ کی کھڑکی کے قریب میز پر ایک شیشے کی رکابی ایک کانٹا اور ایک چاقو رکھا تھا اس کمرے کے نزدیک ہی باورچی خانہ بنا ہوا تھا - اور ابتک شوربہ کی دیگچی پک رہی تھی ٭

ڈاکٹر - صاحبان - ابتک تو قتل اور مقتول کسی کا پتہ نہیں چلتا ٭

جیکمن - داہنے ہاتھ کو دروازہ کی طرف چلئے ٭

تمام حاضرین اس سمت کو چلدیئے - جہاں ایک چھوٹا سا دروازہ

زمین کے اندر کو لگا ہوا تھا اور وہاں کی دھندلی روشنی کو کثیف ہوا ہر لحظہ خاموش کرنا چاہتی تھی۔ جیکمین نے چلا کر کہا۔ یہی جگہ ہے۔ یہی مقام ہے اور خود پوری طاقت سے مجسٹریٹ کو چمٹ گیا۔

ڈاکٹر۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے اس زمین کے اندر ہے اور جیکمین ہمیشہ یہیں رہتے ہیں۔

جیکمین نے کہا۔ بدبخت خاموش ہو۔ مردہ باعث احترام ہوتا ہے۔ یہ مذاق کی جگہ نہیں ہے۔ جیکمین کے ان الفاظ سے حاضرین پر ایک عجیب حیرت سی طاری ہوگئی اور ڈاکٹر بھی مجبوراً چپ ہو گیا۔ لیکن جونہی ڈاکٹر دو تین سیڑھی نیچے اترا اس نے تعجب آمیز آواز منہ سے نکالی دیکھا کہ ایک خنجر تقریباً ۸۳۱ء کا ۔ یہ وہی خنجر تھا جو جیکمین نے ۲۹ - جولائی فرانس کی بغاوت کے موقع پر توپخانہ کے عجائب گھر سے لوٹا تھا۔ اور اسوقت تک اس کی بے گناہ بیوی کے خون سے آلودہ تھا۔

داروغہ پولیس نے ڈاکٹر کے ہاتھ سے خنجر لے لیا۔ اور قاتل سے دریافت کیا۔ کیا تو اس خنجر کو پہچانتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ اس قتل کا پہلا ثبوت یہی ہتھیار تھا۔

جس ترتیب سے پیشتر آئے تھے اسی سے زمین کے اندر گئے۔ اول ڈاکٹر داروغہ پولیس کے ساتھ۔ ان کے بعد مجسٹریٹ اور جیکمین اور ان کے پیچھے وہ دو شخص جو سب سے پہلے مجسٹریٹ کے مکان پر پہونچے تھے دو پولیس کے سپاہیوں کے ساتھ اور پھر چند تماشائی جن میں۔ میں بھی تھا۔ سب سے اول چیز جس پر میری نظر پڑی ! خدایا ! خدایا ! خدایا ! ایک تن بے سر شراب کے پیپے کے برابر جس میں سے اب تک شراب کے قطرے ٹپک رہے تھے

دکھائی دیا۔ خون میں آلودہ ایک ایسی وحشتناک حالت میں پڑا ہوا تھا جس کے بیان کرنے سے زبان عاجز ہے۔ ہاتھ پاؤں ٹیڑھے تھے۔ اور شل لکڑی کے پڑا ہوا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جانکنی کے وقت اس نے مدت تک قاتل سے مقابلہ کیا ہے۔ جاں کنی کی سختی اور تلخی سے اس کی ٹانگیں زانو تک ننگی ہوگئی تھیں ؏

قیاس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ قتل ایسے واقع ہوا ہے کہ عورت بیچاری پیپے کے سامنے بیٹھی ہوئی بوتل کو شراب سے بھرنے میں مشغول تھی اور جانکنی کے وقت بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور اسوقت بھی تھوڑی سی شراب اس کے اندر باقی تھی اور اس کے بدن کے سب حصے خون میں آلودہ تھے۔ کٹا ہوا سر چونے کی بوری سے جو اور بوریوں سے لگی ہوئی رکھی تھی لگا ہوا پڑا تھا۔ گویا ایک مجسم نصب کیا ہوا تھا صرف ایک چیز جس سے اس کی تشخیص ہوتی تھی ایک باریک خونی خط تھا۔ جس نے اس سفید بوری کو لمبائی میں رنگ دیا تھا ؏

جسوقت تک ہم تہ خانہ میں داخل ہوئے ڈاکٹر اور داروغہ پولیس نے تمام احاطہ میں گشت کرلی تھی۔ اور نعش کے اس جانب سیڑھیوں کے مقابل کھڑے ہوگئے تھے۔ تہ خانہ کے درمیان میں مجسٹریٹ کے دو ساتھی اور چند تماشائی کھڑے تھے۔ آخری سیڑھی پر جیکین کھڑا تھا۔ اور بہت اصرار کیا کہ نزدیک آئے مگر وہ نہ گیا۔ اس کے پیچھے سپاہی کھڑے تھے۔ میں اور چند آدمی سیڑھیوں پر ماجرا دیکھ کر تصویر حیرت بنے ہوئے تھے ؏

اس تمام خون آلود فضا کو صرف وہ شمع جس کو بیچاری مسز جیکین نے

بتی بھرنے کے لئے روشن کیا تھا۔ اور اس واقعہ کی شاہد تھی۔ روشن
کر رہی تھی۔ اور اس بدبخت اور بدنصیب کی حالت زار پر جلتی اور
آنسو بہاتی تھی ؀
داروغہ۔ ایک میز اور ایک کرسی لاؤ۔ تاکہ قانونی کارروائی کی جائے ؀

شہادت

ایک میز اور کرسی حاضر کی گئی۔ فوراً جسطرح نمایندگان قانون کا
دستور ہے۔ داروغہ نے میز پر بیٹھ کر اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی دوات
مع کاغذ اور قلم کے نکالی اور بیانات لکھنے لگا۔
اسی اثنا میں ڈاکٹر نے معائنہ کی غرض سے کٹے ہوئے سر کو روشنی کے
نزدیک لیجانا چاہا۔ داروغہ نے منع کیا۔ اور کہا ڈاکٹر صاحب سر کو
اپنی جگہ سے نہ ہٹائیے جب تک کہ قانونی کارروائی نہ ہو جائے ؀
ڈاکٹر اس خلاف قانون کارروائی سے شرمندہ ہوا۔ اور اپنی
جگہ پر کھڑا رہ گیا ؀
کچھ منٹ تک تمام حاضرین پر خاموشی چھائی رہی۔ اور سوائے قلم کی
آواز کے جو اپنے رنج و غم کو اس تمدن۔ عدالت اور انسانیت کے
زمانہ میں اس نئے وحشیانہ عمل پر ظاہر کر رہا تھا۔ اور کوئی آواز نہ
سنائی نہ دیتی تھی۔ چند سطر لکھنے کے بعد داروغہ نے اپنا سر اٹھایا۔ اور
کہا۔ آپ صاحبان حاضر ہیں۔ اس شہادت پر دستخط کیجئے ؀
مجسٹریٹ۔ سب سے پہلے میرے ان دو ساتھیوں کے دستخط لیجئے ؀
بہت اچھا۔ اور پھر میری طرف اشارہ کیا۔ اگر آپ کو کوئی عذر نہ ہو
کیونکہ ایسے قتل کی شہادت پر جو مایۂ شرمساری عالم انسانیت ہے آپ کے

دستخط ہو جائیں تو میں آپ کا ممنون احسان ہونگا۔

میں نے جواب دیا بہت خوب۔ داروغہ صاحب۔ میری خواہش ہے کہ آپ کو تھوڑی زحمت تو ضرور ہوگی۔ ذرا نزدیک تشریف لے آئیے۔

اس ہولناک منظر سے میرے اوپر ایسی ہیبت چھا گئی تھی کہ میرا دل ہرگز اس جنازہ کے قریب جانے کی گواہی نہ دیتا تھا۔ مجبوراً میں نے کہا۔ داروغہ صاحب معاف فرمائیے۔ کیا میرا آنا وہاں ضروری اور لازمی ہے؟

اس نے کہا خیر آپ تکلیف نہ کیجئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ وہیں اپنے دستخط کر دیں۔ میں نے جواب دیا۔ آپ کی عنایت کا شکریہ قبول ہو۔

شہادت نامہ لکھنے کے بعد داروغہ پولیس نے مجسٹریٹ کے ہمراہیوں میں سے ایک کی طرف رخ کر کے کہا۔ اپنا نام۔ عمر اور پتہ بتائیے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس شخص نے جواب دینا شروع کیا۔ میرا نام جان جان آٹلیا۔ میرا شغل فلسفہ۔ شہر پیرس کے کوچہ بادی گر نمبر ۲۰ میں رہتا ہوں۔

داروغہ۔ شاید آپ بھول گئے۔ اپنی عمر تو بتائیے۔

جان۔ نہیں جناب۔ میں متحیر ہوں کہ کونسی عمر بتاؤں۔ وہ عمر جو لوگ میری خیال کرتے ہیں۔ یا اپنی واقعی اور سچی عمر۔ یہ مذاق کا موقع نہیں ہے اور وہ بھی ایک مقتول کے جنازہ کے سامنے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی عمر بتا دیجئے۔ ایک ہی وقت میں انسان کی دو عمریں

نہیں ہوسکتیں۔

داروغہ صاحب۔ آپ بالکل بجا فرماتے ہیں۔ شاید آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ خداوند عالم نے تمام مخلوق اور چیزوں میں استثنیٰ بھی ضرور رکھا ہے اور تاریخ اسکی صداقت پر شاہد ہے۔

مجسٹریٹ۔ یہ بحث و مباحثہ کا وقت نہیں ہے۔ داروغہ صاحب بہتر سال لکھدیجئے۔

داروغہ نے لکھا اور پھر دوسرے ساتھی کی طرف مخاطب ہوا کہ آپ بھی اپنا نام شغل عمر اور سکونت بتائیے۔

میرا نام جوزف ہول۔ عمر اکسٹھ سال میرا شغل کلیسا سے متعلق ہے۔ شہر پیرس کے کوچہ شرواندنی مکان عـ۱۲ میں رہتا ہوں۔ بہت خوب۔ میری طرف اشارہ کرکے کہا فرمائیے۔ میں نے جواب دیا۔ میرا نام الگزنڈر ڈوما۔ شغل مورخی۔ عمر ۲۷ سال۔ شہر پیرس کے کوچہ دارالفنون مکان عـ۱۲ میں رہتا ہوں۔ نام سنتے ہی مجسٹریٹ صاحب نے جنہوں نے ابتک میری طرف کوئی توجہ نہ کی تھی۔ نہایت ادب اور احترام کیا۔ اور میں بھی اسیطرح پیش آیا۔

داروغہ نے کہا بہت اچھا۔ صاحبان دیکھ لیجئے۔ اگر ان بیانات میں کوئی کمی ہو تو بتائیے تاکہ اصلاح کی جائے۔

بظاہر کوئی کمی نہیں معلوم ہوتی۔

عبارت شہادت نامہ

یکم ستمبر ۱۸۳۴ء کو رپورٹ ہوئی کہ قصبہ فنطنہ ارزمین قتل ہوگیا ہے۔ اور ایک شخص مسمی جیکمین نے اپنی بیوی۔ میری جون کو قتل کر ڈالا لہذا

لہذا بموجب قانون این جانب داروغہ پولیس نے مع ڈاکٹر و مجسٹریٹ اور دستخط کنندگان ذیل کے جائے قتل کا مکان کے اندر جو کی گیے راستہ پر معائنہ کیا۔ ایسی صورت میں کہ نعش اسوقت تک اپنی جگہ پر رکھی ہوئی تھی۔ اور کٹا ہوا سر چونے کی بوری کے برابر اور ایک بڑا خنجر جس کو پیرس کی بغاوت کے موقع پر گذشتہ سال جیکمین نے حاصل کیا تھا رکھا ہوا تھا۔ اور اب سرکاری عالی خانہ کے اندر موجود ہے۔ اسوقت تک ہر شخص اپنے مقام پر کھڑا ہوا تھا۔ قاتل کے روبرو تفتیش کی گئی۔ اور قاتل نے سب کے سامنے قتل کا اقرار کیا۔ نیز اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ نعش اور کٹا ہوا سر اور بدن میری بیوی کا ہے۔ اور میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔ دستخط۔ جان پیرلڈ۔ سٹی مجسٹریٹ۔ مسٹر سیاٹپان رابرٹ سٹی ڈاکٹر۔ مسٹر اٹلیا۔ مسٹر جوزف مول۔ مسٹر الگزانڈر ڈوماس داروغہ سٹی پولیس * داروغہ۔ کیا کوئی اور بات باقی ہے؟ سب نے متفقاً کہا۔ نہیں نہیں۔ داروغہ نے کہا۔ اب قاتل سے دریافت کرنا چاہئیے۔ اور قاتل سے پوچھنا شروع کیا۔ نام۔ شغل۔ عمر اور سکونت بتاؤ *

جیکمن۔ داروغہ صاحب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک ایک سوال کیجئے تاکہ میں جواب باسانی دوں۔

بہت اچھا۔ نام۔

پیر جیکمین۔

عمر؟ اکتالیس سال۔

سکونت۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔

کیونکہ اس وقت آپ میرے مکان میں ہی تشریف رکھتے ہیں۔
داروغہ۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ بموجب قانون تم کو ہر بات کا جواب
دینا چاہیئے ۔
جیکمین۔ میرا مکان پولیس کی چوکی کے قریب ہے۔ شمل ؟ کان پکڑنا ۔
تم قتل کا اقرار کرتے ہو ؟ جی ہاں۔
داروغہ۔ تم نے کس وجہ سے اس عمل شنیع کے ارتکاب کی جرأت کی ۔
جیکمین۔ یہ بھید کبھی نہ کھلے گا۔ اور ہمیشہ تک میرے اور اس خدا کے
درمیان مستور رہیگا اور میں اس کی تشریح کرنا نہیں چاہتا۔
داروغہ۔ تو پھر بغیر کسی سبب کے قتل تو ہو نہیں سکتا۔
جیکمین۔ میں نے عرض تو کیا کہ سبب ضرور ہے۔ لیکن میں اس بات میں
کچھ کہنا نہیں چاہتا اور اگر آپ چاہتے ہی ہیں تو میں مختصراً اس واقعہ کو
بیان کرتا ہوں۔
داروغہ۔ اچھا۔ تو بیان کرو۔
جیکمین۔ جس وقت انسان زمین کے اندر اندھیرے میں کوئی کام کرتا ہے
تو ابخرات کی وجہ سے اس کا دماغ خشک ہو جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ
اس کے خیالات کچھ مکدر ہو جائیں تو اس وقت اس کے قوئی عاقلہ اور
اخلاق حمیدہ بالکل مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اور انسان ہر رذالت کا
مرتکب ہو جاتا ہے۔
داروغہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مدت سے اپنے دماغ میں اس جرم کی
ٹھان لی تھی۔
جیکمین۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری گفتگو کے درمیان دخل نہ دیجیئے۔

اچھا اپنی بات کو پورا کرو۔ اب کوئی دوسرا بات نہ کرے گا۔

جیکمن ایک روز اس زمانہ میں جب کہ میں کام میں مصروف رہا کرتا تھا مجھے اپنی عورت کے قتل کے خیال نے کوئی کام نکرنے دیا۔ اور ایک ماہ تک مختلف قسم کے خیالات سے پریشان کیا۔ اور میں عجیب کشمکش میں تھا آخر کار ایک روز اپنے دوست کی ایک بات کو سنکر میں نے اس کے قتل کا پختہ ارادہ کرلیا۔

حضار وہ ایک بات کیا تھی۔؟

جیکمن اس بات کا تم سے کوئی تعلق نہیں۔

بہر حال آج صبح میں نے جون سے کہا۔ میں کسی وجہ سے آج کام پر نہ جاونگا۔ اور کھانا معمول سے زیادہ لذیذ تیار کر جون نے چاہا کہ سبب دریافت کرے میں نے اس کو ایک ڈانٹ دے کر خاموش کردیا۔ وہ بے چاری کھانے کے انتظام کو باہر گئی میں نے اس کی عدم موجودگی کو غنیمت سمجھا اور اس خنجر کو جو اسوقت آپ کے سامنے ہے۔ اٹھالیا۔ اور خوب تیز کیا اسی اثنا میں دروازہ کی آواز آئی میں فوراً تہ خانہ کے اندر چھپ گیا۔ بیچاری جون کمرے میں آئی کئی مرتبہ مجھ کو پکارا۔ کوئی جواب اس کو نہ ملا۔ اس نے خیال کیا میں وقت گزارنے کو باہر چلا گیا ہوں۔ بڑی پاکیزگی سے میز کا سامان لگایا روٹی کو نہایت ہوشیاری سے کاتا اور میز پر رکھدیا۔ اور نہ کیا کیا یہ میں نہیں جانتا۔ کیونکہ اسوقت مجھ کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ اور تاریکی میں کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ صرف یہ کہ سارا مکان ایک قطعہ کی شکل کا دکھائی دیتا تھا اور ہر طرف سے میرے کان میں میرے دوست کی وہی بات سنائی دیتی تھی۔ جس سے میرے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے

اس گفتگو کے دوران میں جکمین کے اعضا سست ہو گئے اور اسکی زبان
لکنت کرنے لگی تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر اوس نے اس طرح
بیان کرنا شروع کیا۔

آخر کار اس بدبخت کے پاؤں کی آواز نے مجھے ان توہمات سے
باز رکھا۔ اور میں اس کی حرکات کو بغور دیکھنے لگا۔ کچھ کچھ روشنی نظر آئی
اور پھر جوآن تہخانہ کے اندر داخل ہوئی۔ پھر وہی بات دوست کی میرے
ذہن میں آئی اور میں اس کو دہرانے لگا جوآن کی اس دائمی حالت سے کہ
ہمیشہ چاروں طرف کو دیکھتی ہوئی چلتی تھی۔ میں یہ خیال کرتا تھا
کہ مجھ سے بدظن ہو گئی ہے۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو ایسا پوشیدہ
کر لیا تھا۔ کہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ وہ مجھ کو دیکھ لے۔

بیچاری جوآن پیپے کے سامنے دو زانو بیٹھ گئی۔ اور بوتل کا
گلا پکڑ کر اس کو بھرنے میں مشغول ہو گئی۔ میں بھی موقع پا کر اپنی جگہ سے
اٹھا۔ جیسا میں نے عرض کیا کہ بے چاری دو زانو بیٹھی ہوئی تھی۔
اور بوتل کے اندر شراب گرنے کی آواز نے میرے پاؤں کی آہٹ
کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

میں اس بدبخت کے سر پر جا پہونچا دونوں ہاتھوں میں خنجر اٹھا کر
پوری طاقت سے مارا بیچاری بالکل خاموش رہی۔ پھر مجھے نہیں معلوم
کیا ہوا۔ چند سکنڈ کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کا سر جسم سے جدا ہو گیا اور
ایک گوشہ میں پڑا ہے۔ اس وقت مجھے موت کا مطلق خیال نہ تھا۔ بھاگنا
چاہتا تھا اور یہ خیال کرتا تھا کہ جنازہ کو زمین کے اندر دفن کردوں لیکن
ابھی تک اس کا جسم تڑپ رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ اول سر کو اٹھا دوں اور

چونے کی بوری میں چھپا چکا ہوں - جونہی میرا ہاتھ اس کے نزدیک ہو
کٹے ہوئے سر نے کود کر میرا دہنا ہاتھ دانتوں سے پکڑ لیا - دیکھئے یہ ہے
ملاحظہ کریجئے اور ابھی تک اس کے دانتوں سے خون جاری ہے -
حضار - کٹے ہوئے سر نے تیرا ہاتھ دانتوں سے کیسے پکڑ لیا -
ہاں - اتنے زور سے پکڑا کہ میرے ہاتھ کے زخم سے ظاہر ہے -
میں نے ہرچند کوشش کی کہ اپنے ہاتھ کو اس کے منہ سے نکالوں
لیکن کٹا ہوا سر اپنی قوت کو بڑھاتا جاتا تھا - ناچار سر کو بائیں ہاتھ سے
اٹھا کر چونے کی بوری میں رکھ دیا - پھر کوشش کی کہ میرے ہاتھ کو چھوڑ
لیکن نہ چھوڑا - میں نے غصہ میں سر کو اٹھا کر دیوار سے ٹپک دیا -
چند منٹ بعد اس کے دانت ڈھیلے ہوگئے - میں نے فوراً اپنا
ہاتھ کھینچ لیا - لیکن اب تک سر حرکت کر رہا تھا -
اس موقع پر بھی جیکمن کی حالت بہت متغیر ہوگئی اور زبان لکنت
کرنے لگی - تھوڑے سکوت کے بعد پھر آغاز کلام کیا -
جیکمن - میں معذرت چاہتا ہوں کہ میری - زبان کبھی کبھی
لکنت کرتی ہے - لیکن اگر آپ صاحبان نے یہ ماجرا دیکھا ہوتا - تو
طاقت گویائی سلب ہوجاتی - اور گفتگو کرنا بھول جاتے -
آخرکار کٹے ہوئے سر نے پھر میری طرف آنکھیں کھول کر دیکھا اور
غصہ کی وجہ سے اپنے دانت پیستا تھا - اس کے خون آلود ہونٹوں نے حرکت
کی اور یہ الفاظ زبان سے نکالے بدبخت !! میں بے گناہ تھی +
ان مظلومانہ الفاظ کو سنکر میرے ہوش و حواس جاتے رہے پھر میں نے کچھ
دیکھا اور نہ سنا میرے چہرے پر سرد پسینہ آگیا -

ڈاکٹر۔ سخت تعجب کی بات ہے کہ ایک بے روح کی آنکھوں نے
تجھ کو دیکھا۔ اور یہ کلمات اس سربریدہ سے ادا ہوئے۔
جیکمن۔ اگرچہ اس علم کی مناسبت سے جو آپ نے حاصل کیا ہے
ایسی باتوں کا ظہور میں آنا بالکل ناممکن ہے۔ اور ٹھیک بھی ہے لیکن
میں محسوسات سے انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن جناب ان دو غصہ بھری آنکھوں
نے مجھے بڑی نفرت اور حقارت سے دیکھا۔ اور انہیں دو غضبناک ہونٹوں
سے یہ الفاظ نکلے
بدبخت!!! تو نے مجھ کو بے گناہ قتل کیا۔
اب دوسری دلیل سنیے۔ میں بھاگنا چاہتا تھا۔ لیکن جب یہ الفاظ
اس نے کہے۔ میں مجسٹریٹ صاحب کے پاس آیا اور واقعہ کی اطلاع دی
مجسٹریٹ صاحب کیا ایسا نہیں ہے۔؟
ہاں جیکمن تم خود آئے۔ اطلاع دی اور قتل کا اقرار کیا۔
داروغہ۔ ڈاکٹر صاحب سر کو اٹھا لیجیے اور ڈاکٹری معائنہ کیجیے۔
جیکمن جناب میں درخواست کرتا ہوں۔ منت کرتا ہوں۔ میری حالت
پر رحم کیجیے اور جب تک میں اس جگہ ہوں۔ اس سر کو نہ ہٹائیے
ڈاکٹر نے جیکمن کی گریہ وزاری پر کوئی توجہ نہ کی۔ چراغ کو اٹھا کر سر بریدہ
کی جانب چلا۔
جیکمن۔ مجسٹریٹ صاحب۔ آپ کو خدا کی قسم۔ مجھ پر رحم کیجیے اور مجھے
جس قید خانہ میں قانون اجازت دے بہت جلد بھیج دیجیے اور پھر سر کو جہاں
چاہے لیجائیے۔ مجسٹریٹ کو اس کی حالت پر رحم آگیا ڈاکٹر کو سر بریدہ کے ہٹانے
کو منع کیا اور داروغہ سے کہا ٹھیک ہے اجازت دیدو کہ اس بدبخت کو

قید خانہ لیجائیں۔ میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔ اور نہ اب اس کی کوئی ضرورت ہے۔

داروغہ بیانات کی بابت آپ کیا کہتے ہیں۔؟

مجسٹریٹ۔ بالکل مکمل ہو گئے۔

داروغہ مگر آپ جانتے ہیں کہ بموجب قانون بیان پر قاتل کے دستخط ہونا لازمی ہیں۔

مجسٹریٹ یہ قید خانہ میں بھی ممکن ہے۔

جیکمن ہاں! ہاں قید خانہ میں قید خانہ میں جو آپ چاہیں گے دستخط کر دونگا۔

داروغہ۔ کوئی مضائقہ نہیں سپاہیو قاتل کو جیل خانہ لے جاؤ۔

جیکمن۔ خیال میں نہیں آتا کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ مرتے وقت تک آپ کا ممنون رہونگا۔

اس کے بعد بے تامل دونوں سپاہیوں کے بازو پکڑ کر بڑے استقلال کے ساتھ اس ہولناک مقام سے نکلا۔ گویا اس شخص کے چلے جانے سے اس مقام کی ہیبت بھی جاتی رہی۔ صرف ایک سر بے تن اور تن بے سر کے سوا کچھ نہ تھا۔ چونکہ وہاں اور کوئی کام نہ تھا میں نے آہستہ سے مجسٹریٹ کے کان میں کہا۔ اگر مجھ سے کوئی کام نہ ہو تو اجازت دیجئے جس وقت آپ کہیں میں آکر بیان پر دستخط کر دوں۔

اس نے جواب دیا بہت اچھا مگر ایک شرط پر میں نے دریافت کیا مجسٹریٹ صاحب وہ کونسی شرط ہے اس نے کہا یہ کہ میرے مکان پر تشریف لاکر بیان پر دستخط کیجئے۔ مجسٹریٹ صاحب بہت خوشی کے ساتھ میں حاضر ہو جاؤنگا

میں درخواست کرتا ہوں کہ کوئی وقت معین کر دیجئے۔ کہ بے موقع پہونچنے
سے وقت ضائع نہ ہو۔
بہت خوب ایک گھنٹہ بعد تشریف لائیے میرا مکان امکان والا ہے
اور یقین کرتا ہوں کہ آپ جیسے مورخ اور مشہور و معروف شخص سے تیے اسکا
دیکھنا لازمی ہے۔ فوراً حاضرین سے رخصت ہوا اور سٹیر ھیوں پر چڑھ کر میں باہر
گیا اور آخر سیڑھی پر سے جیسا کہ دستور ہے پیچھے پھر کر دیکھا۔ ڈاکٹر کو دیکھا
ایک ہاتھ میں شمعدان لئیے ہوئے تھا اور دوسرے ہاتھ میں سر بریدہ کے
گیسو آنکھوں پر سے ہٹا رہا تھا۔ اسوقت تک اس سر بریدہ کی پیشانی سے
آثار حسن و جمال ظاہر تھے۔ ڈاکٹر دیکھئیے کہ ان جیکمن بدبخت نے قتل کرنے کے
بعد خوب غور کر لیا تھا۔ اور اب نیے آپ کو دیوانہ ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ
سر بریدہ نے اس سے بات چیت کی حالانکہ ایسے واقعات کا ظہور میں آنا خلاف
عقل ہے اور بالکل طبیعت اور خلقت کے برعکس ہے۔

خانہ مجسٹریٹ یا اسکارن شاعر کا مکان

حسب وعدہ ایک گھنٹہ بعد میں مجسٹریٹ کے مکان پر پہنچا۔ صاحب
خانہ صحن میں ٹہل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر قریب آئے۔ ہاتھ ملایا اور کہنے لگے
میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ اسوقت میں اور آپ تنہا ہیں اور اطمینان
سے کچھ دیر بات چیت کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد میں آپ کو اپنے دوستوں سے
ملاؤنگا اس لیے ضرور یہ ہے کہ آج شام کو آپ کھانا کھانے میرے ساتھ کے ہر چند عذر
کیا مگر وہ راضی نہ ہوئے مجسٹریٹ نے خندہ پیشانی اور مہربانی سے بات چیت شروع کی دوران
گفتگو میں اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ ہمیشہ پنجشنبہ کو اس کے مکان پر اس کے چند دوستوں کی دعوت
ہوتی ہے اور عموماً رات کے نو بجے کھانا کھاتے ہیں۔ آج جیکمن کے حادثہ کی وجہ سے

تاخیر ہوگئی اور کھانا نو بجے سے پہلے تیار نہ ہوگا اس سبب سے مجھے کافی وقت مل جائیگا کہ جناب
کا اپنے دوستوں سے تعارف کراسکوں اور ان کی نسبت خاص خاص باتیں آپ سے عرض کردوں
میں نے بڑے تعجب سے دریافت کیا۔ کیا باتیں؟ مجسٹریٹ نے کہا جناب عجیب و غریب باتیں
اس لئے کہ میرے دوست دنیا کے معمولی اشخاص میں سے نہیں ہیں اور وقت میرا آپ
کو معلوم ہو ہی جائے گا اسوقت میں اسی مکان سے شروع کرتا ہوں۔ اس مکان
میں مدت تک میڈم ڈمنٹن اپنے شوہر کے ساتھ رہی اور اپنے شوہر اسکارن شاعر کی وفات
کے بعد لوئی چہارم بادشاہ فرانس کی بیوی ہوگئی اور بہت عرصہ تک فرانس جیسی
زبردست سلطنت کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لئے رہی۔ میں ان کی خوابگاہ
آپ کو دکھاؤں گا۔

میں نے پوچھا مجسٹریٹ صاحب کیا میڈم ڈمنٹن کی خوابگاہ اس جگہ ہے

جواب دیا۔ نہیں بلکہ میڈم اسکارن کی خوابگاہ یہاں ہے جو بعد میں میڈم
ڈمنٹن ہوگئی اگرچہ میڈم ڈمنٹن اور میڈم اسکارن دونوں شخص واحد ہی ہیں۔ مگر
قدرت نے ان دونوں کے لئے دو خوابگاہیں مہیا کردی تھیں ایک تو اسی غریب خانہ میں
اور دوسری دنیا کی زبردست اور باشان و شوکت قصر سلطنت واقع شہر ورسائی میں
اب آپ تشریف لائیے اور عمارت کے اندرونی حصہ کو دیکھئے

ہم سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر گئے اور صحن میں داخل ہوئے اور وہ جگہ دیکھنے
کے بعد جو بہ انئے طرز کی بنی ہوئی تھی مجسٹریٹ نے ایک دروازہ کھولا۔ اور
مجھکو کمرہ میں داخل کیا۔

یہ مجسٹریٹ کا مخصوص کمرہ تھا۔ سوائے متفرق کتابوں کے جو مجسٹریٹ نے
وقتاً فوقتاً جمع کی تھیں باقی فرنیچر مثلاً کوچ اور میز کرسی اور دوسری چیزیں سب میڈم اسکارن
کا اسباب تھا جو شاید اسی زمانہ کے سلیقہ کے موافق نہایت صفائی اور پاکیزگی سے ان میں آراستہ

کیا گیا تھا۔

میں نے پوچھا مسیوا سکارن کا کمرہ کہاں ہے؟

مجسٹریٹ نے جواب دیا میں آپ کو یہ کمرہ نہیں بتا سکتا کیونکہ میرے تمام راز اسی کمرہ میں پوشیدہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ نمائندگان قانون بھی عین قوانین کے اجزا کے وقت ان کے مواد کے خلاف مرتکب ہوتے ہیں سچ

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند

چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

یَقُولُونَ بِاَلْسِنَتِہِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ۔

بہر صورت مجسٹریٹ نے مجھے وہ کمرہ دکھانے سے معذرت چاہی اور مجھ کو بڑے ہال میں لے گیا یہ کمرہ بھی دوسرے کمروں کے طرز اور نمونہ پر تیار ہوا تھا کمرے کا رنگ کاغذ مرور ایام سے پہچاننا ناممکن تھا چاروں طرف سترھویں صدی کے طرز کے موافق کرسیاں چنی ہوئی تھیں۔ کمرہ کے ایک گوشہ میں ایک لمبی چوڑی لکھنے کی میز رکھی تھی جو کہ صاحب خانہ کے استعمال میں تھی۔ اور جس پر متفرق اخبار اور سرٹیفکٹ اور مجسٹریٹی کے کاغذات پڑے تھے۔

ابھی مہمان نہیں آئے تھے۔ اور باغ میں ہر ایک اپنے خیال میں مصروف سیر و گردش تھا۔ مجسٹریٹ نے میز کی دراز کھول کر کاغذوں کا بنڈل نکالا۔ اور بالترتیب دکھانے میں مشغول ہوا۔

مجسٹریٹ مسیو الگزنڈر۔ آپ جیسے مورخ کے لئے ان چیزوں کا دیکھنا ضروری ہے یہ تمام بادشاہوں کے جسموں کی یادگار ہیں۔ اور حقیقت میں ایسی ہی تھیں اس لئے کہ ان کاغذوں کے لفافوں میں ہر ایک میں کسی نہ کسی فرانس کے بادشاہ کی داڑھی یا سر کے بال یا ہڈیاں تھیں مثلاً شارل نہم

کے زانو کی چپنی کی ہڈی - فرانسوی اول کی انگلی - لوی چہاردہم کی کھوپری کی ہڈیاں ہانری دوم کا ایک دانت - لوی پانزدہم کی ران کی ہڈی کا ٹکڑا - ہانری چہارم کی ڈاڑھی - اور لوی سیزدہم کے سر کے بال -

حقیقتاً ان اجزاے علیقہ کے فراہم کرنے میں بڑی زحمت اٹھائی گئی ہوگی جو کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں - اب یہ کہ ہمارے ناظرین جان لیں کہ مجسٹریٹ نے یہ چیزیں کیسے مہیا کیں - ہم اس کی کیفیت دشرح ذیل میں درج کرتے ہیں -

سنہ ۱۷۹۲ء میں جب کہ فرانس کی قوم نے اپنے دورہ ظلم واستبداد کے مصائب ومفاسد کا احساس کیا - اور بالآخر لوی شانزدہم اور ملکہ میری انٹ ٹوائنٹ اور طبقہ اشراف کے قتل پر نتیجہ پہونچا - اس زمانہ کی مجلس ملی نے جو سلطنت مستبدہ کے ستم کشیدہ اور جور دیدہ افراد سے مرکب تھی نہ صرف زندوں کے شرف وافتخار کو سلب کرنے پر قناعت کی بلکہ گذشتہ سلاطین کی لاشوں کو ان کی مخصوص قبروں سے نکال کر ذلت وخواری سے ان کی باقیماندہ بوسیدہ ہڈیوں کو عام قبرستانوں میں دفن کیا -

اس زمانہ میں مجسٹریٹ مذکور قبرستان کا نگہبان تھا - اور ہر بادشاہ کے تابوت سے جس کو مدفن سے نکالا جاتا تھا - اپنی مرضی کے موافق یادگار لے کر اس جگہ رکھتا تھا -

مجسٹریٹ - میرے عزیز دوست اب ہم کو کچھ زندہ اشخاص کا تذکرہ کرنا چاہئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس دروازہ کی طرف لے گیا جو ...

کی جانب لگا ہوا تھا۔ میں نے کہا مجسٹریٹ صاحب واقعی باغ تو آپ کا بہت خوبصورت ہے۔ اس نے جواب دیا بیشک چونکہ پہلا صاحب خانہ ایک مشہور شاعر تھا۔ اس نے اپنے ذوق اور شاعرانہ طبیعت سے ان درختوں کو لگایا تھا۔ اور اس میں ہر قسم کے میوے دار اور مختلف رنگ کے پھولدار درخت موجود ہیں۔ انشاء اللہ اس کے بعد آپ اس باغ کو اطمینان سے دیکھیں گے فی الحال اس گفتگو کو دوسرے وقت کے لئے چھوڑ دیں۔ اور آج کچھ دیر تک مہمانوں سے گفتگو کریں۔

میں نے کہا درحقیقت مجسٹریٹ صاحب مجھے بہت اشتیاق تھا کہ یہ معلوم کروں کہ یہ مسٹر جان اٹلیا جو بیان پر دستخط کرتے وقت اپنی دو عمریں بتاتے تھے۔ کون ہیں۔ یہ صورت بالکل ناممکن ہے کہ ایک آدمی کی ایک ہی وقت میں دو عمریں ہوں۔

میرے پیارے دوست میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ پہلے تم کو انہیں سے ملاؤں۔ اور ان کا کچھ حال بتاؤں۔ یہ شخص حلولی مذہب اور سوفسطائی مشرب ہے۔ لیکن نہ صرف دوسروں کے لئے بلکہ اپنے اور اپنے گروہ کے واسطے بھی۔ کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ اسی نام کے ایک شخص کو پندرھویں صدی میں اسی عقیدہ کی وجہ سے زندہ جلا دیا تھا اس شخص کا بھی وہی عقیدہ ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں وہی جان اٹلیا پندرھویں صدی والا ہوں۔ اور چونکہ روح نہیں مرتی اور ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ اس لئے میں بھی نہیں مرا۔ لوگوں نے مجھ کو بظاہر جلا دیا لیکن میری روح اس قالب میں حلول کر گئی۔ اور اس ترتیب سے ہر صدی کو اپنی عمر کی ایک منزل قرار دیتا ہے چنانچہ اپنی دوسری عمر کو چھ سال

شمار کرتا ہے۔ یعنی آخری صدی کا تین چوتھائی حصہ۔ اور یہ کہتا ہے کہ مجھے
پندرھویں صدی میں آب حیات اور زندگانی جاوید سکے حاصل کرنے کی
فکر ہوئی اور برسوں تک دنیا میں گھومتا پھرا۔ یہاں تک کہ ایشیائے کوچک
میں اپنے مقصد کو پہونچ گیا۔ اور آب حیات جسکو سکندر نے مدت تک
تلاش کیا اور نہ پایا پیتا رہا فرانس واپس آنے کے بعد میں نے چاہا کہ میرے
ہموطن بھی اس عجیب وغریب پانی سے روحانی طور پر بہرہ مند ہوں۔ اس
زمانہ کے روحانی لوگ میرے خلاف کھڑے ہوگئے۔ اور مجھ کو پانی میں
غرق کر دیا۔ اور چونکہ یہ پانی روح میں اثر کرتا ہے نہ کہ جسم و بدن میں اسوقت
ایک میں مٹھی بھری خاک ہوگیا اور میری روح نے اپنے واسطے ایک
دوسرا قالب اختیار کر لیا۔ اور یہ موجودہ قالب دوسرا ہے

میرے پیارے دوست اس دیوانہ شخص کا یہ عقیدہ ہے اور چونکہ
علم تاریخ اور علم رجال میں پوری معرفت اور مہارت رکھتا ہے میں بھی
اس کی معلومات کی وجہ سے اس کی صحبت اور ہم نشینی سے متنفر نہیں ہوں
اور اس کے پہلے عقیدہ میں اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے کہ جو کچھ بیہودہ
بکتا ہے بکنے دو۔

مسٹر اٹلیا آیہ مول سے جو ایک روحانی شخص تھا۔ گفتگو میں مشغول تھا
میں نے مجسٹریٹ سے دریافت کیا کہ یہ آیہ مول کون شخص ہے ؟
اس میں کوئی خاص وصف ہے یا نہیں۔

اس نے جواب دیا نہیں۔ یہ اور میرے دوسرے
مہمان مسٹر اٹلیا کی طرح دیوانے اور پاگل نہیں ہیں
لیکن تمہاری شناسائی کے لئے ۔۔۔

ایک ایک سے تمہارا تعارف کرائیگا اس آدمی کی عمر ساٹھ سال کی ہے اور چالیس برس سے میری اس کی شناسائی ہے امرائے فرانس کی لڑکیوں کا کالج ہی شخص پڑھتا ہے۔ انشا اور علم ادب میں کافی دستگاہ رکھتا ہے۔ چنانچہ شادی کے موقعہ پر بڑے بڑے ایڈریس لکھتا ہے اور پرانی رسم کے موافق اس تختی کو دولہا کے عزیز ایک سنہری تھالی میں رکھ کر اپنے کمرہ کو زینت دیتے ہیں۔ سال گزشتہ قریب تھا کہ حضرت پوپ کی طرف سے کسی اعلیٰ منصب پر پہونچ جائے۔ لیکن گمنامی کی حالت میں رہ گیا۔ صرف اس سبب سے کہ یہ شخص عیسائی مذہب کے خلاف جبریہ عقیدہ رکھتا ہے اور علاوہ اس کے تسخیر ارواح احضار اجنہ و شیاطین اور تکلیم اموات کا قائل ہے۔ چنانچہ آج جیکین کی بیہودہ فضول گفتگو سنکر اس نے کچھ تعجب نہ کیا۔ بلکہ اس کے خلاف ہر بات کی تصدیق کی۔ کبھی کبھی بات چیت کرتے کرتے بالکل خاموش ہوجاتا ہے اور اسی اثنا میں اس کی آنکھیں حرکت کرنے لگتی ہیں۔ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگتا ہے اور اپنے سر اور ہاتھوں سے کچھ اشارہ کرتا جاتا ہے۔ کہ جن سے بظاہر کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ اس تغیر کی حالت میں اس سے بات کرنا بہت خطرناک ہے لیکن چند منٹ کے بعد ہوش میں آجاتا ہے اور اس کی حالت درست ہوجاتی ہے۔ اور وہ کچھ دیر کا انقلاب یعنی جنون اس کے دل سے بالکل محو ہوجاتا ہے۔

اس اثنا میں باغ کی ایک کیاری میں ایک عجیب شکل دکھائی دی مجسٹریٹ سے میں نے پوچھا یہ دوسرا شخص کون ہے؟ اس نے کہا یہ بھی میرے دوستوں میں سے ہے اس کا نام شوالیہ لنوا ہے۔ اس نے اپنے نام سے

ایک مشہور عجائب خانہ بڑی محنت و مشقت سے قائم کیا تھا۔ ۱۷۹۳ء
کے انقلاب عظیم نے اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ آج رات
کو انہیں لوگوں کی دعوت ہے یا دوسرے لوگ بھی آئیں گے۔ جواب
دیا شاید ڈاکٹر رابرٹ بھی آجائیں۔ اور میرا خیال ہے ان کی ملاقات
کوئی ضروری بات نہیں۔ شاید تم نے قیافہ سے آج معلوم کر ہی لیا ہوگا
اتنے میں ایک خادمہ نے دروازہ کھولکر کہا کہ کھانا تیار ہے
مجسٹریٹ نے کھڑکی کھولکر اپنے مہمانوں کو آواز دی۔ پھر میری طرف
رخ کر کے بولا کہ ان اشخاص کے علاوہ جن کو تم نے دیکھا۔ باغ کے
کسی گوشہ میں ایک اور شخص ہوگا۔ جو عادت و خصلت میں ان تمام
سے بالکل خلاف ہے۔ اور حالانکہ اس کی عمر زیادہ نہیں لیکن دنیا
اور اس کے تعلقات سے بیزار ہے۔ اب آپ تشریف لے چلیے۔
اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر اس کو لے آئیے۔ میں نے مان لیا۔
فوراً ہی وہ ایک کیاری میں مل گئی۔ یہ ایک چالیس سالہ عورت تھی۔
اور اس کے چہرہ پر آثار صباحت و رعنائی ابھی تک ظاہر تھے۔ یہ عورت
مثل چاند کے سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ میں بہت
ادب سے قریب گیا۔ سلام کیا۔ بالکل توجہ نہ کی کئی منٹ میں نے انتظار
کیا کہ شاید کوئی مجسمہ ہو۔ پھر میں زیادہ نزدیک گیا۔ اور پھر میں نے
سلام کیا مثل اس شخص کے جو خواب پریشان سے چونکتا ہے غیر معمولی
حرکت کر کے غور سے مجھکو دیکھنے لگی۔ کئی سکنڈ تک دونوں بالکل خاموش
رہے۔ پھر میں نے بات کرنی شروع کی۔ میں نے کہا۔ خانم۔ میں مشہور مصنف
الگزانڈر ڈوماس ہوں مجسٹریٹ صاحب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے

کہ کھانا تیار ہوگیا۔ اور سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس عورت نے بہت غدر کیا۔ اور بیان کیا کہ کسی وقت میری ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ کچھ خبر نہیں رہتی پھر اٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ہم دونوں ڈائننگ ہال کی طرف روانہ ہوئے دو کرسیاں میزبان کے برابر خالی تھیں۔ ایک داہنی طرف خانم کے واسطے اور دوسری مقابل ہیں میرے لئے۔

شارلٹ گردی

کھانے کی میز مثل گھوڑے کے نعل کے گول بنی ہوئی تھی اور اسپر چوبیس آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ چونکہ مجسٹریٹ کے بہت سے دوست تھے اس لئے اکثر اتوں کو مہمانوں کی وجہ سے میز پر بیٹھا کرتا تھا۔ ہر روز خاص اور منفردہ کھانا تیار ہوتا تھا۔ کہ کسی مہمان کو کسی روز تحقیق کی ضرورت نہ تھی اور قبل ہی سے جان لیتے تھے کہ فلاں روز مجسٹریٹ کی میز پر کس قسم کا کھانا ہوگا۔ پنجشنبہ کے واسطے ایک شوربا۔ بکری کا گوشت اور ران بھنی ہوئی اور مرغ ترکاری کے ساتھ تیار ہوتا تھا۔ اور یہ کھانا اسقدر زیادہ ہوتا تھا کہ ہر شخص ہر غذا کو مکرر مانگتا تھا۔ فوراً حاضر کی جاتی تھی۔

میز پر کی بات چیت قابل بیان نہیں۔ کیونکہ عام طور پر باورچی۔ کھانے اور اشیاء نوشیدنی کی تعریف ہوا کرتی ہے۔ اور واقعی مجسٹریٹ کی میز کا کھانا اتنا لذیذ اور نفیس تھا کہ ہم سب نے خوب سیر ہوکر کھایا لیکن لیڈی نے سوائے روٹی کے چند روکھے ٹکڑے اور ایک گلاس پانی کے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا اور کسی سبب سے درمیاں کھانے کے بات نہ کی کھانے

کے بعد سب قہوہ پینے لگ گئے۔ اور چونکہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے وقت
لیڈی میرے ساتھ گئی تھی واپسی میں بھی نزاکت سے ساتھ میرے ساتھ آئی
اور کمرہ میں آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور اسی طرح خاموش تھی۔

جوقت ہم کھانے میں مشغول تھے۔ کمرہ کے اندر دو شخص ڈاکٹر اور
داروغہ انتظار کر رہے تھے۔ داروغہ بیانات لایا تھا۔ کہ مجسٹریٹ کے اور
میرے دستخط کرائے۔

مجسٹریٹ نے فوراً دستخط کر کے مجھ کو دیدیا جیکمن نے بھی دستخط کر دیئے
تھے اور دو تین قطرے خون بھی کاغذ پر موجود تھا۔ میں نے داروغہ سے پوچھا
یہ خون کس کا ہے؟ قاتل کا یا مقتول کا۔

جواب دیا نہیں جیکمن کے ہاتھ کا ہے اور دستخط کرتے وقت
کاغذ پر ٹپک گیا ہے۔

اور اب تک بہت سعی وکوشش کی گئی۔ لیکن اس کے ہاتھ کا خون
بند نہیں ہوا اور اپنے اس خیال پر کہ سر بریدہ نے اس سے کلام کیا۔
جما ہوا ہے۔

ڈاکٹر۔ مجسٹریٹ صاحب کیا واقعی آپ جیکمن کی دروغ بیانی کا
یقین کرتے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب ضرور۔ صحیح تصور کرتا ہوں۔ بلکہ اسپر یقین کرتا ہوں
اٹلیا۔ میں بھی باور کرتا ہوں۔

آبہ مول۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

لاؤانہ۔ میں بھی آپکی تائید کرتا ہوں۔ میں نے بھی سر اٹھا کر اشخاص بالا کی ہیئت
کی طرف لیڈی اور داروغہ کچھ نہ کہا۔ اسی اثنا میں ڈاکٹر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری
اور کہا جب آپ سب میرے پختہ عقیدہ کے خلاف اسکی تصدیق کرتے ہیں۔

تو میں بھی آپ کی ہاں میں ہاں ملاتا ہوں۔ لیکن افسوس صرف اس بات کا ہے کہ آپ میں سے کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔

مجسٹریٹ ڈاکٹر صاحب افسوس نہ کیجئے میں بھی علم طب سے بالکل بے بہرہ نہیں ہوں۔ اس علم کے موافق ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں لیکن محسوسات کا بھی منکر نہ ہونا چاہیے۔ کیا آپ نے سر بریدہ کی تشریح کی ہے

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ نہیں۔

بہت افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب آپ نے اس میں دھوکا کھایا۔

ڈاکٹر یہ ممکن نہیں کہ مجھے دھوکا ہوا ہو۔

مجسٹریٹ میں آپ کو دلیل سے ثابت کئے دیتا ہوں۔ اول قول نقل کرتا ہوں۔ دوبارہ اگر آپ نے نہ مانا تو پختہ اور مستحکم دلائل پیش کردوں گا۔ مشہور مصنف ہالکر اپنی ایک تالیف میں لکھتا ہے کہ ایک سر بریدہ نے کئی مرتبہ آنکھیں کھولیں۔ اور میری طرف دیکھا۔

ڈاکٹر ممکن ہے کہ ہالکر نے اس بات کے اظہار میں غلطی کی ہو۔

مجسٹریٹ بہت خوب دوسرا قول بیان کرتا ہوں۔ وکار بھی کہتا ہے کہ میں مدت تک اسی فکر میں رہا کہ سر بریدہ کس طرح بات کر سکتا ہے۔ ایک روز پبلک روڈ پر چلا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص کو باندھے ہوئے سزا دینے کو لا رہے ہیں۔ قریب جا کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ اس شخص کو سیاست گاہ میں لے آئے اور جلاد نے اس کا سر تلوار سے اڑا دیا۔ سر بریدہ کئی مرتبہ کو دا آخرکار آنکھیں کھولکر ادھر ادھر دیکھا۔

میرے عزیز دوست ڈاکٹر صاحب۔ اگر آپ یہ بھی نہیں مانتے تو ہم نے

تمام تالیفات یہاں موجود ہیں مطالعہ فرما لیجئے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے سر بریدہ کو دیکھا کہ غصہ سے برابر دانت پیس رہا تھا۔ اور باتوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ یہ عرض کرونگا کہ ایک سر بریدہ نے خود مجھ سے باتیں کی ہیں۔

فوراً تمام حاضرین اٹھ کر صاحب خانہ کے گرد جمع ہو گئے حتیٰ کہ وہ لیڈی بھی جو اس وقت تک ایک طولانی سکوت میں غوطہ زن تھی بے اختیار تعجب آمیز آواز کے ساتھ ان کے شور میں شریک ہو گئی۔ اور سب نے نہایت حیرت وتعجب سے پوچھا۔

کیا مجسٹریٹ صاحب خود آپ سے سر بریدہ نے باتیں کیں؟

ہاں ہاں خود مجھ سے باتیں کیں اب مجھ کو جیکمن کی طرح سے دیوانہ تصور نہ کر لینا۔

ڈاکٹر میں اپنی اور سب کی طرف سے خواہش کرتا ہوں کہ اس واقعہ کی تفصیل بیان فرمائیے

مجسٹریٹ چونکہ آپ سب میرے یار دوست ہیں اس لئے عرض کرتا ہوں مگر اتنا سمجھ لیجئے کہ میرا اک راز ہے۔ وہ آپ سے کہتا ہوں اگر گفتگو یا قصہ کے درمیان میں آپ مجھ میں کوئی انقلاب یا اختلال دیکھیں تو پریشان نہ ہو جانا اس لئے کہ خیال سر سے سامنے مجسم ہو جاتا ہے

یہ جملے کہنے کے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے کہا۔

دوستو کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔

حاضرین نے بالاتفاق جواب دیا ہاں پہچانتے ہیں۔ مجسٹریٹ نے سر ہلا کر کہا۔

میرا مقصد آج کل کی حالت سے نہیں ہے بلکہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ صاحبان میں کوئی ایسا ہے جو میرے حسب و نسب سے واقف ہو۔

سب نے جواب دیا کوئی نہیں۔

مجسٹریٹ۔ پس ضروری ہے کہ میں پہلے اپنا تعارف کراؤں۔ تاکہ اس وحشت ناک واقعہ کا سننا آپ صاحبین کے لیے زیادہ آسان ہو جائے یہ سنتے ہی تمام پر اک گہرا سکوت طاری ہو گیا اور دوسری جانب کمرہ کی تاریکی کی دہشت مہمانوں کی وحشت میں اضافہ کرتی جاتی تھی اور سرگزشت سننے کا اشتیاق بڑھتا جاتا تھا۔ مجسٹریٹ نے از سر نو کہنا شروع کیا۔

میرا باپ کوئی شانزدہم بادشاہ فرانس کا دواساز تھا اور اپنے فن میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ یہانتک کہ جب ۱۷۷۴ء علیوی میں آسٹریا کا بادشاہ بلکہ میری ان ٹوانٹ کا بھائی فرانس آیا تو اس نے میرے والد کو دواسازی کا سرٹیفکٹ دیا تھا۔

مجھ سے ایک بڑا بھائی تھا اور ہم دونوں تحصیل علم کرتے تھے۔ فرانس کی شورش عظیم میں میرے والد کو بادشاہ کا نوکر ہونے کی وجہ سے قید خانہ میں بند کر دیا لیکن باغیان سے پرانی ملاقات ہونے کی وجہ سے تین سال میں انہوں نے اس کو رہا کر دیا وہاں سے وہ اسی مکان میں آ گئے

کی عمر میں اس جہان سے کوچ کیا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ میری ملاقات بہت سے بڑی تنومندی تھی اس شہر واسطے سے میں دانتن اور کامیل دمولن سے جو کہ بانیوں کے انقلاب عظیم کے محرک تھے ملاقات پیدا کرلی۔ اسوقت میں طبابت کا پیشہ کرتا تھا۔ اور مارات جو کہ اس زمانہ کا مشہور و معروف اخبار نویس تھا اس پیشہ کی وجہ سے ملاقات ہوگئی۔ اسوجہ سے جس روز ہشتم شارلٹ گردی کو مارا کا قصاص لینے کے لئے گیلوٹن کے موجد گلوٹین نے یہ مشین پھانسی دینے کی ایجاد کی تھی) تیجے! اگر کھڑا کیا تو میں بھی دیکھنے کے لئے گیا۔ اور مشین کے پاس کھڑا ہو گیا۔

اس زمانہ میں لوگ استقدر خونخوار ہوگئے تھے کہ جب کسی کو سزا دینے کے لئے مقتل میں لاتے تھے۔ پیرس کے تمام مرد و عورت بڑے چھوٹے دیکھنے کے لئے آتے تھے مگر ایک رات پیشتر سے اس میدان میں آکر گھیر لیتے تھے اور جسقدر خون خونریزی ہوتی تھی ان کی پیاس زیادہ ہوتی جاتی تھی۔

دو بجے دوپہر کو مخلوق کا اژدحام زیادہ ہوگیا۔ اتفاق اس روز گرمی زیادہ تھی۔ اور آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ چار بجے بادل اور بجلی نے زور کیا۔ اور زور سے مینہ برسنے لگا اسوقت شارلٹ گردی کے ہاتھ باندھ کر اور کھلی ہوئی گاڑی میں سوار کرکے لائے

آسمان غم و درد کر رہا تھا۔ ابر گریہ کر رہا تھا بارش زور سے ہو رہی تھی۔ مگر افسوس افسوس! اگر اسوقت کوئی چیز انسان کی مرض طبیعت کو رام نہیں کر سکتی تھی تو قہر الٰہی اور غضب خداوندا!! مگر خون!!! تمام واسطے مطلب کے گرم کانوں

چھتوں تک تماشائیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور آدمی مہیب
نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیتے تھے۔ اس وقت تک میں نے اس
عورت کو نہ دیکھا تھا۔ اور بالکل نہیں پہچانتا تھا۔ تقریباً (۲۷) سال
کی عمر معلوم ہوتی تھی۔ نہایت خوبصورت آنکھیں اور پتلے پتلے ہونٹ
تھے۔ تمام راستہ گاڑی میں کھڑے ہوئے طے کیا۔ اور نہایت وقار و
اطمینان سے گویا کہ اپنے کئے سے متعلق پشیمان نہیں ہے چاروں طرف
دیکھتی جاتی تھی۔ اور پھانسی کا مطلق خوف نہ تھا۔ بارش نے اس کے
سرخ لباس کو اس کے بدن پر چپکا دیا تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ
خون کے دریا سے نکل آئی ہے۔

الغرض خدا نے مخلوق کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اور رحم و غضب
کو ان سے باز رکھا۔ بارش تھم گئی۔ اور بادل اور بجلی خاموش ہو گئی۔
پرانے رفیق یعنی آفتاب عالمتاب نے سر نکالا۔ اور گاڑی میدان میں
لائی گئی۔ جونہی لڑکی کی آنکھ آلۂ قتل پر پڑی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
مگر جلد اپنی حالت کو سنبھالا اور مخلوق سے پوشیدہ رکھنا چاہا اور خواہ
مخواہ ہنسنے لگی۔ گاڑی تمام میں پھر کر آلۂ قتل کے پاس کھڑی ہو گئی۔ اور شاہزادی
گاڑی بغیر کسی کی مدد کے کود کر باہر آ گئی۔ اور بڑی عجلت سے باوجودیکہ
کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ سیڑھیوں پر چڑھ کر اپنے مقتل کے چبوترہ
پہنچ گئی۔ جلاد نے قریب پہونچ کر چاہا۔ کہ اس بیچاری کو مشین کے نزدیک
لیجائے۔ لیکن ضرورت نہ ہوئی۔ کیونکہ اس لڑکی نے خود قریب جا کر خندہ

پیشانی سے اپنا سر آلۂ قتل میں سے نکال لیا۔ سنگدل جلاد نے اپنا ہاتھ کلائی پر رکھا۔ اور چھری بجلی کی طرح سے اسکی گردن پر چل گئی اور اس بیچاری کا سر تن سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑا اور چند مرتبہ اچھلا کودا اس طرح کہ پہلی اور دوسری مرتبہ جلاد کا شاگرد سر کو نہ پکڑ سکا بالآخر ان میں سے ایک نے اس کے گیسو پکڑ کر غصہ سے اس کے منہ پر چپت مارا۔ فوراً لڑکی کے چہرہ کا رنگ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں کھولیں اور حسرت آمیز نظر سے بے حیا شاگرد کی طرف دیکھا۔ اور دو قطرہ آنسوؤں کے اس کی آنکھوں سے گرے۔ پھر جس طرح کوئی شخص لوگوں کو شہادت اور انصاف کے لئے بلاتا ہے۔ اس کے شاگرد کی طرف سے ایک نگاہ طاقت ور سے لوگوں کی طرف دیکھا پھر ویسا ہی آنکھیں بند کر لیں۔ تمام حاضرین نے اس سر کی حرکت کو اپنی جگہ سے دیکھا۔ بے اختیار ہیجان میں آ گئے۔ اور بلوہ کا خوف تھا۔ اس نے مجمع کو خاموش کرنے کے لئے کہا اور اس کے شاگرد کو ایک سال کی قید کر دی۔

اس ہولناک منظر کے دیکھنے کے بعد میں بحر فکر میں غرق ہو گیا اور گھر جانے کے بجائے پیرس کی مجسٹریٹی میں پہنچا۔ اور بڑی دقت سے قید خانہ کے اندر جانے کی اجازت حاصل کی اور اجازت نامہ دکھا کر قید خانہ میں پہنچا اور بلا تامل جلاد کے شاگرد کے پاس گیا میں نے کہا کہ تمہاری یہ لڑکی کے سر بریدہ کے ساتھ یہ حرکت کیا کسی پرانی عداوت کی وجہ سے تھی جو ایسا کیا۔ نہیں جناب بلکہ سر کی اچھل کود نے مجھ کو غصہ دلا دیا اور میں نے اسکے طمانچہ مارا۔ یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی اس لئے کہ اگر آپ مجرموں کا سر کاٹنے کے وقت موجود رہیں اور جس صندوق میں ہم سر بند کرتے ہیں ملاحظہ ہو تو اس سے زیادہ عجیب غریب۔

باتیں دیکھیں گے۔ مثلاً بعض سر شید منٹ تک بلند آواز سے روتے ہیں بعض اپنے
معشوق یا معشوقہ کا نام دُہراتے ہیں اور بعض اسقدر غصہ ہو جاتے ہیں کہ اگر ہم ذرا
بے احتیاطی کریں اور ان کے نزدیک لے جائیں تو پوری قوت کے ساتھ
ہمارے ہاتھوں میں دانت جما دیتے ہیں!!!

ان غیر متوقع باتوں کو سنکر میری حیرت اور تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی
اور میں دیوانہ وار قید خانہ سے باہر آیا۔ اور اسی وقت سے مصمم ارادہ کر لیا
کہ جس طرح ممکن ہو جوا اس ہیجان کا خطرہ کی تحقیق و تفتیش کروں۔

ہیڈ مسٹر اشر

مجسٹریٹ کے ان وحشتناک بیانوں سے ہم سب پر حیرت کا عالم طاری ہو گیا
اور کسی میں قوت گویائی نہ تھی۔ پھر تھوڑی دیر ستانے کے بعد مجسٹریٹ نے اس
طرح بیان کرنا شروع کیا۔

اس اضطراب اور پریشانی کی حالت میں جو میں قید خانہ سے باہر آیا
تو کوئی جگہ میرے خیال میں نہ آئی تھی کہ جہاں تھوڑی دیر کے لئے اپنی وحشت
کو دور کرسکوں مگر صرف میرا گھر جو شہر پیرس میں تھا۔ لہذا میں نے اسی طرف
کا رخ کیا۔ راستہ میں گھنٹہ نے رات کے دس بجائے اور ایک عورت کی
فریاد میرے کانوں میں آئی۔ یا اللہ یہ کیسی آواز ہے میں فوراً اس طرف دوڑا
گلی کے موڑ پر مدھم چاندنی میں جو بادلوں میں سے چھن چھن کر رہی تھی میں نے

ایک لڑکی کو دیکھا جو چوکیداروں کے بیچ میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اور کوشش کر رہی تھی کہ کسیطرح ان کے شکنجے سے چھوٹ جائے۔

جونہی اس کی نظر مجھ پر پڑی۔ فریاد کرتی ہوئی میری طرف دوڑی حالانکہ ہم ایک دوسرے کو مطلق نہ جانتے تھے۔ لڑکی نے فریاد کی کہ کیسی خوش قسمتی ہے۔ خداوند کریم نے اسوقت ہمارے خاندان کے عنایت فرما مسیو البرٹ کو یہاں پہنچا دیا۔ وہ میرا آپ سے تعارف کرا دیں گے کہ میں لدیو کما دھوبی کی لڑکی ہوں۔

چوکیداروں نے اس کے جواب میں کہا کہ لڑکی تم ہو جی چاہے ہو مگر چونکہ تمہارے پاس اسم نسب نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ تھانہ چلو۔ یہ کلمے سنتے ہی لڑکی کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا اور میرا ہاتھ دبایا جس سے میں سمجھا کہ یہ میرا اس کے لئے کسقدر تکلیف دہ ہے۔ اسی نام سے جس سے اس نے مجھے پہلے خطاب کیا تھا مجھے خطاب کیا میں بے تامل آگے بڑھا اور نزدیک جا کر کہا۔ آہا تم ہو مسٹر مسل انشر؟ یہاں اس وقت کیا کر رہی ہو؟ اور یہ لوگ تم سے کیا چاہتے ہیں۔

بیچاری لڑکی نے جوابدیا آپ خود ملاحظہ فرمالیجئے۔ لڑکی کے طرز گفتگو اور غیر معمولی تہذیب سے میں بہت متعجب ہوا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک دھوبی کی لڑکی اس شائستگی اور آدمیت سے گفتگو کرے۔

میں نے دل میں کہا کہ لا محالہ یہ کوئی شریف خاندان کی لڑکی ہے اور چونکہ شورش عظیم نے فرانس کے امرا کے قتل عام کا حکم دیدیا ہے اسوجہ سے

میں نے اس سے درخواست کی کہ تمہارے باپ کو اپنا محرر
بناکر اپنے ساتھ لیجائے۔ اس نے مان لیا اور وعدہ کرلیا
ہے۔ آپ اطمینان رکھئے کہ جنرل مارسو وعدہ کرلینے کے بعد جبتک
اس کی جان میں جان رہے اسپر قائم رہیگا اور اس کو پورا کریگا۔
لیکن اس شرط پر کہ تمہارا باپ سرحد پر یہ قسم کھالے۔ کہ جب تک زندہ ہے
فرانس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریگا۔ اس رات کے بعد جنرل مارسو
سرحد سے پار جانے کے اسباب مہیا کرے گا اور جسوقت سرحد سے گذر جائیگا
تم کو اطلاع دیگا پس جسطرح سے ہوسکیگا میں تمہارے واسطے پاسپورٹ
مہیا کرکے تم کو روانہ کردونگی۔

وہ بیچاری لڑکی شکریہ کے اظہار کے واسطے بجز چند قطرے اشک کے
اور کچھ نہ رکھتی تھی بے اختیار میرے پاؤں پر گر پڑی میں نے اس کو زمین
پر سے اٹھایا کھڑی ہوگئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

جناب میرے ساتھ آئیے میں بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ کئی گلیوں
میں سے گذرنے کے بعد ایک وسیع میدان میں پہنچے وہاں جاکر مجھ سے کہا
ذرا ٹھہر جانا اور ایک موٹر کی طرف جاکر غائب ہوگئی پندرہ منٹ کے بعد
واپس آئی اور کہا میرا باپ چاہتا ہے کہ خود آپ کا شکریہ ادا کرے تشریف
لے چلئے میرا ہاتھ پکڑ کر کوئی سو قدم کے فاصلہ پر لے گئی۔ ہم ایک عالیشان
عمارت کے دروازہ پر جا کھڑے ہوئے لڑکی نے کھڑکی کھول کر ادھر ادھر دیکھا
جب اطمینان ہوگیا۔ کہ کوئی نہیں ہے اپنی جیب سے ایک کنجی نکالی۔

نفیذ کرتی ہے اور اپنا اور اپنے خاندان کا نام بتانے سے پرہیز کرتی ہے اور اسی وجہ سے ڈرتی ہے اگر صبح تک تھانہ میں رہ گئی تو انقلاب پسند اس کو شناخت کرکے زندہ نہ چھوڑینگے۔

مس انٹر۔ مسٹر البرٹ آپ بالکل تعجب نہ کیجئے آج میری ماں نے بہت سے کپڑے دھوکر دئے تھے۔ کہ میں ان کے مالکوں کو دے آؤں میں تیسرے پہر سے اس مکان سے اس مکان تک دوڑتی پھری۔ آخری پارک کے مکان پر اس وجہ سے کہ صاحب خانہ موجود نہ تھا۔ دیر تک انتظار کرتی رہی جب وہ آیا تو میں نے کپڑے اس کے سپرد کردئے اور چونکہ بھیجنے ہوئے پیسے موجود تھے میں وہاں بیٹھی رہی تاکہ دوسرے روز آنا نہ پڑے اور چونکہ مجھے اس کا خیال نہ تھا کہ اس قدر دیر ہوجائیگی۔ رات کا ٹکٹ بھی اپنے ساتھ نہ لائی تھی اور اب اپنی بیوقوفی میں مبتلا ہوں۔ آپ تو مجھے جانتے ہی ہیں۔ میری شناخت اور ضمانت کرلیجئے۔

میں نے جواب دیا۔ یقیناً اور چوکیداروں سے مخاطب ہوکر کہا عزیز ہمدوطنو ابھی اس لڑکی کی ضمانت کرتا ہوں ان کے افسر نے کہا اور تمھاری ضمانت کون کریگا۔ میں نے جواب دیا مسیو ڈاہن اور طنز سے کہا کہ اگر اسکو منظور نہ کرو۔ تو کوئی اور بتاؤں۔

انھوں نے کہا نہیں نہیں۔ اگر وہ ضمانت کرلیں تو ہمیں کچھ اعتراض نہیں میں نے کہا بہت اچھا مگر آپ کو معلوم ہے کہ آج انجمن کا جلسہ زیر صدارت ڈاہن منعقد ہوگا۔ اور وہ مقام یہاں سے دور نہیں ہے چلو وہاں چلیں

چونکہ آپ خدمت وطن میں مصروف ہیں۔ اس لئے تمہیں روکتے اور یقین رکھتے
ہیں کہ ملت فرانس تیری قدر وقیمت کو اچھی طرح سمجھتی ہے۔
ڈانٹن ہیں بھی اسی امید میں خدمت کرتا ہوں اور ہاتھ چوکیداروں کی
ہاتھ کیطرف بڑھا کر مصافحہ کیا۔ اس حالت میں کہ سب کی آنکھوں سے آنسو گر
رہے تھے۔ چوکیداروں کے افسر نے باآواز بلند کہا زندہ باد ڈانٹن زندہ
باد ڈانٹن۔ اور سب نے بھی نعرہ لگایا۔ اور اپنی اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہوگئے
میں نے بھی ڈانٹن سے ہاتھ ملا کر شکریہ ادا کیا۔ اور وہ بھی بڑی عجلت سے
انجمن کو لوٹ گیا۔ انجمن کے باہر سپاہی اور وہ لڑکی رہ گئے کہ میں اس
کو جانتا تھا۔ اور نہ وہ مجھکو پہچانتی تھی۔ میں نے نہایت ادب کے ساتھ
اس لڑکی سے پوچھا۔ آپ کو میں کہاں پہنچا دوں؟ اس نے مسکرا کر تشکر آمیز لہجہ
میں جواب دیا۔ جناب میری والدہ کا مکان کوچہ فرد نمبر ۲۴ میں؟ دونوں بلا
تامل چلدئے اور تمام راستہ ایک نے دوسرے سے بات نہ کی۔ اس نے
غرور حسن سے۔ اور میں نے حیا سے۔ راستہ میں چاندنی کی روشنی میں میں اسکی
صورت اور سیرت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر بیس سال کی معلوم ہوتی
تھی۔ سیاہ آنکھیں۔ پتلی ناک تنگ دہن۔ قد رعنا۔ اور یہ تہذیب و ادب
ثابت کر رہے تھے۔ کہ وہ ضرور کسی شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور
انقلاب پسندوں کے خوف سے اس نے اپنے آپ کو پست طبقہ سے بنایا ہے۔
الغرض ہم مکان کے سامنے پہنچے۔ لڑکی کھڑی ہوگئی۔ اور چند منٹ سکوت
رہا۔ پہلے اسی نے مہر خاموشی توڑی اور کہا کہ مسیو البرٹ آپ مجھ سے کیا

چاہتے ہیں۔ اور کیوں خاموش کھڑے رہ گئے ہیں؟

میں نے کہا کہ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ جان پہچان اور یہ ملاقات ہرگز اس جدائی کی لائق نہ تھی۔

لڑکی نے جواب دیا۔ برعکس اس کے میں آپ کا بہت شکریہ ادا کرتی ہوں اس لئے کہ اگر آپ تھوڑی دیر بعد پہنچتے تو یہ موذی سپاہی مجھ کو تھانے لیجاتے اور کل صبح کو میں ضرور شناخت کرلی جاتی کہ میں شریف خاندان سے ہوں اور پھر سے قتل کا حکم دیدیتے۔

میں آہ۔ آہ تم اقرار کرتی ہو کہ تم شریف خاندان سے ہو؟

لڑکی اپنی بیوقوفی پر مطلع ہو کر بولی۔ نہیں میں نے ہرگز اقرار نہیں کیا اور نہ کرتی ہوں۔

میں نے کہا تو پھر آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا سِسل انٹر۔ میں نے کہا کہ یہ نام تو میں نے چوکیداروں کا خیال غلط کرنے کے لئے تبلا دیا تھا تو میو البرٹ کیا ہرج ہے کہ میں اپنا یہی نام رکھ لوں۔ چاہے اور کسی کے لئے یہ نام نہ ہو مگر آپ کے لئے یہی سہی۔

میں نے کہا میڈم۔ جبکہ ہم اور تم پھر کبھی نہ ملیں گے تو میرا تمہارا نام رکھنا بھی فضول ہے جواب دیا کہ میں ہرگز نہیں چاہتی کہ ہماری آپ کی یہ آخری ملاقات ہو اور اس نام کے رکھنے سے ہماری ملاقات میں کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا چنانچہ میں آپ سے خواہش کرتی ہوں کہ میرے لئے آپ وہی میو البرٹ ہیں اور میں کبھی آپ کا اصلی نام نہ پوچھونگی۔

اسی اثنا میں اس نے گھر کے اندر جانا چاہا میں نے روکا اور کہا میری ایک عرض ہے۔ وہ لڑکی کھڑی ہو گئی۔ اور سر سے اشارہ کیا کہ اچھا بیان کیجئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس کو غلط خیال نہ کریں گے کہ میں آپ کو کسی امیر کی بیٹی خیال کرتا ہوں اور شناخت کئے جانے کے خوف سے آپ نے یہ معمولی لباس پہن لیا ہے اور اس مکان میں دھوبی کی لڑکی کے نام سے قیام ہے۔

اس لڑکی نے کہا اب چونکہ آپ میرے اسرار کو جاننا چاہتے ہیں میں بھی آپ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھوں گی۔ اور جو بات میرے متعلق ہے بیان کر دونگی۔ واقعی میں ایک شریفہ کی بیٹی ہوں میرا باپ روپوش ہو گیا ہے۔ اور میں اس کا نام بتانے سے مجبور ہوں کیونکہ یہ بات مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اس دھوبن کا شوہر میرے باپ کا گاڑی بان تھا۔ اور وہ بوجہ نمک حلالی ہمارے راز کو ظاہر نہیں کر سکتا میں اور میرا باپ اسی فکر میں ہیں کہ جس وقت فرصت ملے اس خونریز ملک فرانس سے نکل جائیں اور اگر دونوں کا ایک ساتھ جانا ممکن نہ ہو تو مجبوراً اوّل میرا باپ چلا جائے گا اور پھر میں روانہ ہونگی۔

میں نے دریافت کیا۔ کیا آپ آج اپنے باپ کے پاس سے واپس ہوتے وقت گرفتار ہونے کے قریب نہیں۔

اس نے جواب دیا ہاں۔ وہاں سے ہی آتی تھی۔ اور اگر آپ نہ آجاتے اور غیرت سے کام نہ لیتے تو میرا کام تمام تھا۔

میں نے کہا میڈم! میں نے نہ کوئی باپ کی خدمت کی ہے اور نہ کسی اتمہ سے کام لیا ہے۔ صرف چند وطن پرستوں سے میری شناسائی ہے ان میں ایک ڈانٹن ہے اور اس کا فرانس میں طوطی لبول رہا ہے

بیچاری لڑکی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کیا ہی اچھا ہوتا۔ اگر یہ مسٹر ڈانٹن میرے باپ کے فرار ہونے میں کچھ مدد دیتا۔

میں نے کہا میڈم میں نے اس سے تمہاری حفاظت کے لیے کہدیا ہے اور تمھارے باپ کی فرار ہونے کی ایک دوسری صورت ہے اگر میں تمھارے باپ کو صحیح وسالم سرحد سے نکال دوں تو کیا آپ میری ممنون ہونگی۔

بیچاری لڑکی جواب نہ دسکی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی مسٹر البرٹ۔ اگر آپ اس معاملہ میں ہاتھ دینے سے دریغ نہ کرینگے۔ تو آپ کا نام ہمیشہ ہمیشہ میری اور میرے باپ کی نگاہوں میں قائم رہیگا۔ اپنی اور اپنے ستر سالہ باپ کے طرف سے آپ کی اس عنایات و مہربانی کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

میں نے دریافت کیا میں آپ کی خدمت میں کس وقت حاضر ہوں اور کس مقام پر۔

اس نے جواب دیا جب آپ کا دل چاہے یہیں آجائیے میں متعجب ہوکر پوچھا اسی جگہ میں!!

اس نے کہا ہاں۔ آپ خیال کیجئے کہ پھر بھی یہ جگہ بہ نسبت دوسرے

مقابات کے مرادمین ہے تقریباً آدھا گھنٹہ ہوگیا۔ ہم باتیں کر رہے ہیں اور کوئی شخص یہاں سے نہیں گذرا؛

میں نے کہا۔ گھر کے اندر کیوں نہ چلے چلیں۔ یا آپ میرے مکان پر کیوں نہ آجائیں۔

اس نے کہا۔ اس وجہ سے کہ اگر آپ میرے مکان پر آئیں تو میرے اور صاحب خانہ کیلئے خطرہ کا باعث ہوگا اور اگر میں آپ کے مکان پر جاؤں تو آپ کو اندیشہ ہوگا۔

میں نے کہا۔ اگر یہی بات ہے تو کل میں آپ کے نام کا رات کا ٹکٹ لے کر آؤنگا اور پھر تم لجبیبی اندیشہ کے میرے مکان پر آسکو گی۔

میری اس بات کو سنکر اس نے شکریہ کا اظہار کیا۔ میں نے دوسری رات کو ملنے کا وقت دریافت کیا۔ وہی وقت یعنی رات کے دس بجے مقرر کیا اور ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے۔

رخصت ہونے وقت میں نے چاہا کہ اس کے ہاتھ کو بوسہ دوں۔ اس نے بے تامل اپنے رخسار پیش کر دیئے۔ میں نے بھی بڑی عزت سے بوسہ لیا اور چلدیا؛

دوسری رات کو وہی دس بجے اسی مقام پر یعنی گھر کے سامنے میں حاضر ہوگیا۔ مس انٹریمی دروازہ کھول کر گلی میں آگئی اور کہا میں امید کرتی ہوں آج آپ کوئی اچھی خبر لائے ہونگے۔ میں نے جواب دیا بہت اچھی خبر اور نشانی یہ ہے کہ آپ کے واسطے رات کا ٹکٹ لایا ہوں۔

سِسِل اِنّ نے بڑے غصہ سے میرے ہاتھ کو جو اس کی طرف کو بڑھا ہوا تھا جھٹک دیا۔ اور بڑی غمگین حالت میں پوچھا۔ میرے باپ کے لئے کیا کیا گیا ہے؟
میں نے کہا۔ میڈم انشاءاللہ وہ بھی خطرہ سے نکل جائے گا۔ بے اختیار ہو کر پوچھا۔ میرے باپ کو اپنی رہائی کے لئے کیا کام کرنا چاہئے۔ میں نے کہا میری ذات پر پورا بھروسہ اور اطمینان رکھے۔ مسٹر البرٹ آپ مطمئن رہئے۔ میرے باپ نے آپ پر کامل اعتماد کر لیا ہے۔ کیونکہ آج میں اس سے ملی تھی۔ میں نے کل رات کا سارا واقعہ اسکو سنا دیا ہے اور کہدیا ہے کہ آپ نے اس کی رہائی کا وعدہ کر لیا ہے۔
میں نے کہا۔ جی ہاں۔ ضرور ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آپ نے بیان کیا۔ انشاء اللہ آپ کے والد کل روانہ ہو جائیں گے۔
بیچاری نازک لڑکی نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ خدایا! کیا یہ ممکن ہے کہ میرا باپ کل یہاں سے نکل جائے گا۔؟
میں نے کہا۔ ہاں! اگر ممکن نہ ہو تو عین بدقسمتی ہے۔ آپ بھی کل اپنے باپ کے ہمراہ چلی جاؤ۔ پیارے دوست البرٹ میں نے پیشتر ہی کہدیا ہے کہ یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں میں اپنے باپ کے یہاں رہنے سے بہت پریشان ہوں۔ اور میں آپ سے درخواست کرتی ہوں۔ کہ آپ نے جو صورت اپنے نزدیک میرے باپ کی خلاصی کی خیال کی ہے بیان کیجئے۔ میں نے کہا آج میں جنرل مارموسکے پاس جو معروف وطوع پر سکھن میں سے ہے گیا تھا۔ وہ اٹلی کی سرحد پر جنگ کے لئے جا رہا ہے

سب نے کہا چلئے اور اس کے بعد ہم سب روانہ ہو گئے جب
وہاں پہنچے تو میں انجمن کے پھاٹک کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ایک کاغذ
پر محضر لکھکر خادم انجمن کو دیا۔ کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ڈانٹن باہر آیا۔
مجھ کو دیکھ کر بڑے تعجب سے پوچھا۔

میرے عزیز دوست کیا تم سے اسم شب مانگتے ہیں؟ یہ کس طرح
ممکن ہے کہ سب سے پہلے جمہوری خواہ سے سب سے آزادی طلب
رات کا ٹکٹ مانگا جائے؟ اور چوکیداروں سے خطاب کر کے
کہا۔ وطن پرستو اس شخص کو روک ٹوک نہ کرو ان میں سے ایک چوکیدار
ڈانٹن کے نزدیک گیا اور نہایت جسارت سے کہا کہ آپ
کی ضمانت کو ان کے حق میں تو ہم نے قبول کیا۔ مگر کیا آپ اس لڑکی کے
بھی ضامن ہوتے ہیں۔

ڈانٹن نے پوچھا۔ کون لڑکی؟

جواب دیا کہ یہ لڑکی جو ان کے ساتھ ہے۔

ڈانٹن۔ ہاں ہاں انکی اور جو کوئی ان کے ساتھ ہو ویں سب
کی ضمانت کرتا ہوں چوکیداروں نے کہا اب ہم کو کوئی اعتراض
نہیں۔ اور ڈانٹن ہم تمھاری ملاقات سے بہت خوش ہوئے۔

ڈانٹن۔ میرے عزیز ہموطنو! بغیر کسی کے وسیلہ کے مجھ سے ہمیشہ
ملنا ممکن ہے

چوکیدار۔ اگرچہ ہم کسی وقت آپ کے دیدار سے سیر نہیں ہوتے مگر [illegible]

ایک گھڑکی کو کھولا ہم دونوں اندر داخل ہوگئے سیڑھیوں پر چڑھ کر ایک کمرہ کے سامنے پہونچ گئے۔ لڑکی نے ٹھہرے ہوکر ایک خاص طریقہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک پچاس سالہ آدمی نے دروازہ کھولا۔ لباس سے مزدور معلوم ہوتا تھا مگر میز کے اوپر کے سامان سے اخبار نویس سمجھا جاتا تھا پہلے ہی بات سے میں سمجھ گیا کہ صاحب خانہ ہے اور فرانس کے بڑے دولت مند امرا میں سے ہے۔

آخر کار قریب آکر ہاتھ ملایا۔ کہا۔ مسٹر البرٹ! خداوند کریم نے آپ کو ہماری رہائی کے واسطے بھیجا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی یہی جانتے ہیں کہ ہم دونوں اس خطرہ سے نجات پائیں میں نے بھی مفصل طور پر مع قسم کھانے کے بیان کر دیا۔

صاحب خانہ نے لڑکی کے باپ کی طرف سے اظہار کیا کہ بڑی خوشی سے وہ اس شرط کو منظور کرنے کے لئے حاضر ہے اس نے دریافت کیا میں جنرل صاحب کے مکان پر کس وقت جاؤں میں نے کہا آج رات کو جس وقت آپ چاہیں۔

کچھ دیر کے بعد اس نے کہا میرا جانا کس طرح ممکن ہے جب کہ میرے پاس رات کا ٹکٹ نہیں میں نے فوراً اپنا ٹکٹ نکال کر پیش کر دیا۔ اور جنرل کے مکان کا نشان و پتہ بتا دیا پھر اس شخص نے دریافت کیا میں اپنے کو جنرل صاحب سے کس طرح روشناس کروں میں نے کہا کہ یہ چٹھی جو میں آپ کی کرتا ہوں

ان کو دکھا دیجئے وہ سمجھ جائیں گے اس کے بعد میری طرف منہ کر کے
کہا کہ اس معاونت کے بدلے میں آپ مجھ سے کس خدمت اور فرمائش
کی توقع رکھتے ہیں؟ اور میں کس طرح اپنے نجات دہندہ کو خوش کر سکتا
ہوں میں نے جواب دیا کہ اپنی بیٹی کی رہائی کی جو بہترین ہدیہ ہے
خواہش کیجئے

اس نے بھی منظور کیا۔ فوراً اپنی ٹوپی سر پر رکھ کر سیڑھیوں سے
نیچے اترے اور گلی میں داخل ہو کر بیٹی کا ہاتھ پکڑا اور جنرل کے مکان
کی طرف چل دیئے میں بھی ان کے پیچھے کوئی دس قدم کے فاصلہ سے
روانہ ہوا اور بغیر اس کے کہ کوئی شخص ہماری طرف متوجہ ہو ہم
خیرالے کے مکان تک پہنچ گئے۔ باپ اور بیٹی کے نزدیک جا کر میں نے
صحیح سلامت پہنچنے پر مبارک باد دی اور کہا کہ کیا میں بھی آپ کے
ساتھ جنرل مارسو کے پاس چلوں؟ جواب دیا کہ نہیں کوئی ضرورت نہیں
کہ اس سے زیادہ آپ ہمارے لیئے خطرے میں پڑیں۔ بہتر یہ ہے کہ
آپ یہیں سیل اسٹر کا انتظار کیجئے۔ جب تک میرے اور مارسو کے پاس سے
جواب لائے اور بڑی مہربانی سے ہاتھ ملا کر اظہار ممنونیت کیا
اور روتے ہوئے کہا کہ دوست اس وقت میں آپ کی ذات سے
شرمندہ ہوں کہ کوئی خدمت نہیں کیا مگر ہاں اپنے ہاتھ سے امیدوار
ہوں کہ اگر موقع پڑے تو اپنی جان تک آپ پر فدا کر دوں میں نے
بھی نہایت شوق اور ارادت سے اس کا ہاتھ دبایا۔
اور باپ بیٹی مکان میں چلے گئے۔ اور میں دروازہ
کے سامنے انتظار میں کھڑا رہا پندرہ منٹ بعد
دروازہ کھلا اور لڑکی باہر آئی میں نے پوچھا کہ

جنرل نے تمہارے باپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا سیل انٹر بڑی بشاشت اور کشادہ روئی سے جواب دیا کہ واقعی جنرل بڑا شریف اور بامروت ہے جونہی ہم کمرہ میں داخل ہوئے اس نے نزاکت اور انسانیت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ اپنی بہن کو حکم دیا کہ ایک کمرہ میں میرے اور میرے باپ کے لئے کوچ بچھا دئے تاکہ ہم چلنے کے وقت تک وہاں آرام کریں اور امید کرتی ہوں کہ کل دن کے تین بجے کے بعد میرے باپ کے لئے کوئی خطرہ نہ رہے گا۔ اور انشاء اللہ کل رات ہم آپ کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوں گے۔ میں نے پوچھا کیا تمہارے والد نے میرے بارے میں تم سے کچھ گفتگو کی؟ جواب دیا ہاں بہت بہت شکریہ ادا کرنے کے بعد آپ سے یہ خواہش کی ہے کہ جس طرح ممکن ہو آپ مجھے بھی روانہ کر دیں۔

میں نے کہا یہ تو آپ کی خوشی پر منحصر ہے۔ کہ جب آپ ارادہ کریں گی میں اسباب فراہم کر دونگا۔ سیل انٹر نے جواب دیا کہ جونہی مجھ کو اپنے والد کے بعافیت پہنچنے کی خبر ملی۔ میں آپ سے عرض کر دوں گی اور موافق معمول اپنی پیشانی کو میرے نزدیک لائی میں نے بڑی عزت اور گرمجوشی سے بوسہ لیا اور جدا ہو گئے۔ اور اس وقت تک مجھے ایسی خوشی اور شادمانی تھی ہوئی۔ اب تو اس کے باپ کی رہائی کی وجہ سے یا سیل انٹر کے جذبہ عشق کی وجہ سے جو چاہو سمجھو۔ میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ اس رات مجھ کو نیند نہ آئی اور ایک ایک منٹ مجھ کو ایک سال معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا دن بھی بڑے اضطراب

میں گذرا۔

رات کو نو بجے یعنی وقت مقررہ سے ایک گھنٹہ قبل مقررہ جگہ پر پہنچ گیا۔ آدھ گھنٹہ بعد سل انٹر بھی آگئی۔ تھوڑی دیر گفتگو کرتے کرتے بعد میں گیارہ بجے لوٹ آیا۔

پندرہ روز بعد سل انٹر کے باپ کا خط آیا کہ میں بخیریت سرحد سے پار ہو کر آسٹریا کے ملک میں داخل ہو گیا۔ دو دن بعد میں سل انٹر کے واسطے بھی پاسپورٹ لے آیا اس کو دیکھتے ہی بچاری رونے لگی اور کہا آہ میرے البرٹ آپ کس طرح راضی ہوتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ میں نے کہا۔ میری پیاری تو میری جان ہے اور جان کا رخصت کرنا آسان نہیں مگر کیا کروں تیرے باپ سے وعدہ کر چکا ہوں اور مجبور ہوں کہ اپنے وعدہ کا پکا ہوں مگر تیرے جانے کے بعد میری روح پرواز کر جائے گی۔ اور ہمیشہ آتش فراق میں جلتا رہوں گا۔ اس بد قسمت نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں سفر کے ارادہ سے باز آئی اور کبھی جانے پر رضامند نہیں۔

جب مجسٹریٹ یہ باتیں کہہ رہا تھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور کہا تھا کہ افسوس وہ بیچاری پیرس ہی میں رہ گئی اور اس پر جو مصیبت گذری جو میں جانتا ہی نہ تھا۔ بدبخت سل انٹر ہے کیا کیا جائے۔ کہ بر من و تو در اختیار نکشا دست۔

البرٹ

یہاں پہونچ کر مجسٹریٹ بے اختیار رو رہا تھا۔ اور سینہ میں اس کا دم گھٹنے لگا مجبوراً خاموش ہوگیا۔ ان گزشتہ جملوں نے حاضرین پر یہ اثر کیا تھا کہ سب خاموش ہمہ تن گوش بن گئے تھے۔ اور اُف تک نہ کرتا تھا۔ تھوڑی دیر آرام لینے کے بعد مجسٹریٹ نے باقی حصہ داستان کا یوں بیان کرنا شروع کیا۔ سل انٹر کو اپنے ارادہ سے باز آئے تین مہینے ہوگئے تھے۔ بغیر اس کے کہ ہمارے درمیان میں فراق کی کوئی گفتگو آئے۔ بیچاری لڑکی نے سل انٹر کے نام سے ایک ذلیل سا مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ اور لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے میں نے اسکو ایک مدرسہ کا سکرٹری مقرر کردیا تھا۔ وہ بیچاری ہر روز اپنے کام پر جاتی۔ اور صرف پنجشنبہ اور یکشنبہ کو تعطیل ہوتی تھی۔ جب کہ ہم دونوں صبح سے شام تک اس گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور باقی ہفتہ کے دنوں میں خط وکتابت سے اپنے دلوں کو تسلی دیتے تھے۔ خط پر میڈم سل انٹر اور مسیلو البرٹ کا پتہ ہوتا تھا اس لئے کہ کوئی ہم میں سے کسی کے حسب ونسب سے واقف نہ تھا۔

باوجودیکہ یہ تین مہینے میری زندگی کے بہترین اوقات میں سے تھے اور میں ہمیشہ سل انٹر کے حسن وجمال کے مطالعہ میں مستغرق رہتا تھا۔ مگر باوجود اس کے سربریدہ کے گفتگو کرنے کی تحقیق سے غافل نہ تھا ہزاروں زحمتوں کیساتھ اس کے متعلق مختلف موقعوں سے معلومات حاصل کرتا تھا۔ اور

اس وقت تک اس تجربہ کے دریا میں ڈوبا ہوا تھا کہ سر بدن سے
جدا ہونے کے بعد چند منٹ تک سوزش اور درد کا احساس
کرتا ہے اور بدقسمتی سے اس زمانہ میں میرے لئے اس کے امتحان
کے اسباب حسب دلخواہ موجود تھے اس لئے کہ روزانہ تیس
سے چالیس آدمیوں تک کو آلۂ قتل سے پھانسی دیجاتی تھی اور
اس میدان میں جہاں اس مشین کو لگایا تھا۔ اسقدر خون جمع
ہوتا تھا کہ گز گز بھر زمین کھدوانی پڑتی تھی۔ اور روزانہ میں اسقدر
تازہ خون بھر جاتا تھا کہ ایک دن اس میں چار سال کا بچہ ڈوب
گیا اور اگر کچھ دیر ہو جاتی تو مر جاتا۔ لیکن صرف اس لئے کہ اسکا اثر
ان باتوں سے پریشان نہ ہو۔ میں اپنے ان خیالات کا اظہار
اس سے متعلق نہ کرتا تھا۔ اور اس کو بالکل اطلاع نہ تھی اگر
چہ یہ شغل نہایت تنفر آمیز اور وحشتناک تھا مگر چونکہ میں نے
اپنے عقیدہ کے موافق کچھ انکشافات کرلئے تھے اسوجہ سے
میں چاہتا تھا کہ میں اپنی عملی تحصیلات کو تکمیل کرکے ادلہ و براہین
کے ساتھ مجلس شوریٰ ملی میں پیش کروں۔ اور یہ ثابت کروں
کہ انسان قتل ہونے کے بعد کس قدر تکلیف اٹھاتا ہے شاید
اس سے خونخوار وکلاء کا دل نرم ہو جائے اور پھانسی کی سزا
منسوخ ہو جائے۔ مگر افسوس کہ حضرت انسان جس قدر خونریزی
کرتے ہیں اسی قدر خونخوار ہوتے جاتے ہیں۔ !!!
الغرض پولیس کے محکمہ کی طرف سے مجھکو اجازت ملگئی تھی
کہ اس قبرستان میں جہاں سیاسی مجرموں کی لاشیں دفن کیجاتی تھیں
اپنی خواہش و رغبت سے جاکر سروں کا معائنہ کرسکوں۔ اسی قبرستان کے ایک گوشہ میں ایک

ایک چھوٹے سے مقبرہ کو میں نے اپنے امتحان کا کمرہ بنا لیا تھا اور آلات تشریح اور ہر قسم کا سامان وہاں جمع کر لیا تھا۔ روزانہ کئی کئی گاڑیاں اور بوریاں لاشوں سے بھرے ہوتی اس قبرستان میں آتی تھیں اور دفن کرنے سے قبل تمام سروں کو مجھے دکھایا جاتا تھا۔ اور چند سر اور لاشہ امتحان کے لئے میں اس مقبرہ میں لیجاتا تھا۔ اور تمام رات یکہ و تنہا میں اُن لاشوں اور سروں کے امتحان میں مصروف رہتا تھا۔ یہانتک کہ اس حالت میں سل انثر عشق روز بروز بڑھتا گیا۔ اور مکرر اس سے شادی کا خیال کیا مگر بدقسمتی سے اس مقصد کے حاصل کرنے لے لئے ضروری تھا کہ وہ لڑکی اپنا حسب ونسب تبائے اور اس کے معلوم ہوتے ہی شورش پسند اس کے قتل کا حکم دیدیتے۔ کیونکہ وہ خود شرفا میں سے تھی اور اس کا باپ مفرور ہو گیا تھا چند مرتبہ اس کے بڈھے باپ نے اس کو بلانے کے لئے تاکید کی۔

لیکن اس بدنصیب نے مجبوراً اپنے عشق کا اظہار کر دیا یہاں تک کہ شادی کی اجازت بھی مانگ لی تھی اور اس غریب بڈھے نے بھی بغیر میرا نسب دریافت کئے اجازت دیدی تھی اور ہم اس بات سے آسودہ خاطر ہو گئے تھے اس عرصہ میں میری انٹوائنٹ کا مسئلہ پیش ہوا۔ اور مجھے اور سل انثر کو بلے حد متاثر کیا بے چاری ملکہ چوتھی اکتوبر کو عدالت میں پیش ہوئی اور ۱۴ اکو بیانات لئے جاکر دو دن بعد صبح کے ۴ بجے اسکو پھانسی کا حکم دیدیا گیا اور اسی دن گیارہ بجے اس حکم کا اجرا ہو گیا۔
اسی روز سل انثر کا خط اس مضمون کا پہنچا۔

میرے پیارے البرٹ۔ ایسے بدبخت اور منحوس دن کو میں تنہا نہیں کاٹ سکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی میرا ساتھ دو اور آج بھی یہیں رہو۔ میں بھی ان تعلقات کی وجہ سے جو بچپن میں ملکہ نے اس کی عنایت اور مرحمت کی وجہ ہو گئے تھے بہت رنجیدہ اور غمگین تھا اور سل انٹر کے بلانے کو نعمت عظیم سمجھ کر اس کے مکان کو روانہ ہوا۔ راستہ میں دیکھا کہ لوگ جوق درجوق ملکہ کا قتل دیکھنے کے لئے خوشی مناتے اور شور مچاتے اس مقتل کی طرف جس کا نام اسوقت میدان لوئی پانزدہم اور اب پلاس دلاکنکو دہے چلے جاتے تھے۔
دو بجے میں سل انٹر کے مکان پر پہونچ گیا میں نے دیکھا کہ بیچاری لڑکی کی آنکھوں میں روتے روتے خون اتر آیا تھا۔ جاتے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی لپٹ گئی اور گریہ وزاری کرنے لگی اور بیچاری ان کلمات کے علاوہ کچھ نہ کہہ سکی۔ بیچاری ملکہ ...... بدبخت ...... میری ...... میری حالت بھی رنج وغم کے سبب سے اس سے کچھ کم نہ تھی۔ اور میں اسقدر پریشان ہو گیا تھا۔ کہ ہر چند میں سل انٹر کو تسلی دینا چاہتا تھا۔ مگر کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ اور میں رونے لگا۔
ہم نے وہ دن گریہ وزاری اور سوگواری میں گذرا اور وہ رات رو رو کر کاٹی۔ خدایا! خدایا! وہ کیسی سخت اور ہولناک رات تھی مجھے خوب یاد ہے کہ ہماری چھت پر کمرہ میں ایک کتا رات بھر روتا رہا صبح کو تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ کتے کا مالک کسی ضرورت سے دروازہ مقفل کر کے باہر چلا گیا

تھا۔ جیسے ہی بے چارہ گلی کے اندر آیا شورش پسند پولیس نے اس کو گرفتار کر لیا۔ اور تین گھنٹے کے اندر اندر اس کے قتل کا حکم صادر ہو گیا بے چارہ کتا اپنے مالک کی عدم موجودگی سے پریشان ہو کر روتا تھا

صبح ہو گئی۔ ہم کو ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہیے تھا اور یہ بھی ضروری تھا۔ کہ سل انٹر نو بجے مدرسہ میں حاضر ہو جائے اور اس کو جانا بھی دور تھا۔ رخصت ہوتے وقت میرا دل گواہی نہ دیتا تھا کہ سل انٹر سے جدا ہوں وہ بھی بہت رنجیدہ تھی۔ اور ہرگز مدرسہ جانا نہ چاہتی تھی۔ مگر دو روز سے زیادہ غیر حاضری پولیس کے شبہ کا باعث ہوتی تھی مجبوراً ایک دوسرے سے رخصت ہو کر دونوں باہر نکلے ایک گاڑی کرایہ کر کے سوار ہو گئے اور راستہ بھر کوئی بات چیت نہ ہوئی۔ یہانتک کہ ایسے مقام پر پہونچے جہاں سے دونوں کے راستے مقابل سمتوں کو جاتے تھے۔ مجبوراً میں نے گاڑی کو چھوڑ دیا اور پھر سل انٹر کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ گاڑی چلنے لگی اور بے چاری لڑکی مجھ سے دور ہو گئی جب تک کہ گاڑی دکھائی دیتی رہی میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا کہ جس وقت تک ہو سکے اپنی روح کو جو اس گاڑی میں پرواز کر رہی تھی دیکھتا رہوں۔ جب وہ نظر سے غائب ہو گئی تو بہت رنجیدہ و افسردہ ہو کر مکان واپس چلا گیا اور تمام دن سل انٹر کو خط لکھنے میں صرف کیا۔ عصر کے وقت اس بدبخت کا خط پہونچا کہ اسکول کے منیجر نے میری دو روز کی غیر حاضری پر

سخت سختی کا برتاؤ کیا اور ان دو روز کے بدلے میں انوار کی تعطیل بند کردی مگر سیل نٹز نے باوجود اس کے وعدہ کیا تھا کہ جس طرح ممکن ہوگا اتوار کے روز ملونگی اور بہت ہی اضطراب کا اظہار کیا تھا کہ اس کے باپ کے خط کا لفافہ ڈاکخانہ کے اندر کھول لیا گیا۔

وہ رات بھی نہایت اضطراب اور پریشانی میں گذری اور دوسرا دن بھی بہ مشکل بسر کیا آیندہ روز رات کے وقت میں قبرستان کے معائنہ کو جانا چاہتا تھا۔ کہ مغرب کے وقت مکان سے روانہ ہوا۔ آسمان کی حالت اسقدر منقلب معلوم ہوتی تھی کہ گویا تمام کائنات جبر وتشدد سے تنگ آگئی تھی اور اس قدر غصہ میں تھی کہ خداوند عالم سے زمین کے نکلنے کی اجازت چاہتی تھی۔

تمام راستہ میں شورش پسندوں کے منادی کرنے والوں کی آواز کے شور نے جو مقتولین کے ناموں کو مشتہر کرتے تھے شہر پیرس کو سر پر اٹھا لیا تھا۔ انسان کے جسم میں اس کو سنکر لرزہ آجاتا تھا۔ یہ بدبخت شورش پسند دس بارہ سال کے بچے تک کو نہ چھوڑتے تھے افسوس۔!!

افسوس!! کیا انسانیت اور کیا شرافت تھی اکثر خورد سال لڑکیاں ثابت قدمی سے پدر پیر یا مادر غمگین کا ہاتھ پکڑے ہوئے مقتل میں داخل ہوتی تھیں آہ!! آہ!! انسانیت وکرامت جو امتیاز آدمیت ہے کہاں باقی تھی۔ ہزاروں بے گناہ ہوں گے سر تن سے جدا ہو گئے اور بے شمار خاندانوں کی نسل تک جاتی رہی۔ بہر حال نہایت رنجیدگی میں حالت میں قبرستان پہونچا۔ اندھیرے کی وجہ سے وہاں کی حالت اسقدر خوفناک

اور مہیب ہوگئی تھی کہ اس وقت اس شہر خاموشاں کے اندر جانے کی بہت کم لوگ جرأت کر سکتے تھے۔ اس روز کی تازی قبروں اور بغیر دفن کئے ہوئے جسموں کی بدبو نے انسان کی وحشت کو نفرت سے تبدیل کر دیا تھا۔

ان دنوں کے آخر میں مقتولوں کی تعداد شمار سے باہر ہوگئی تھی۔ اور یہ نوبت آگئی تھی کہ ہر جسم کو علیحدہ قبر میں دفن کرنا ممکن نہ تھا ہر روز صبح سے بہت سے مزدور قبریں کھودنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اور روزانہ مقتولین کی تعداد سے بہت زیادہ قبریں کھود لیتے تھے اور رات کے وقت بغیر کسی مذہبی رعایت اور رسم کے ادا کئے۔ نہایت ذلت اور حقارت سے سروں کو گڑھے میں ڈال کر اوپر سے بند کر دیتے تھے بڑی زحمت سے اپنا دل قوی کر کے قبرستان داخل ہوا اور معائنہ کے کمرہ کی طرف چلا۔ بیشتر یہ کمرہ ایک محترم پادری کا مقبرہ تھا۔ باوجود اسکے کہ میں اس کمرہ سے بہت ہی مایوس ہوگیا تھا جس وقت اس میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ یہی چاہتا تھا کہ کوئی مذہبی علامت کا نمونہ دکھائی دے بدقسمتی سے ہر مرتبہ خلاف امید وار کو حضرت مسیح کی تصویر اور مقدس برتن اور دیگر مذہبی آثار سے خالی پاتا تھا اور بیچارے مقتولوں کی اچھلتی کودتی ہوئی ہڈیاں انسانی خونخواری کو مرد عاقل کی نظر میں مجسم کرتی تھیں۔

میں نے چراغ روشن کر کے امتحان کی میز پر رکھدیا۔ اور اپنا سر ٹیک کر کرسی کے اوپر میز کے قریب بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ کیا فکر تھی اور کیا خیال تھا۔ اس بدبخت ملکہ کا خیال تھا کہ جس نے مدت تک تمام

سلاطین یورپ کے سر اس کے سامنے تعظیم کو خم ہوتے تھے۔ اور آخر کار اس روزگار غدار نے اس کا باعث افتخار سر بکمال خفت وخواری سے اسی قدم کے ہاتھوں سے جس نے برسوں اس کی پرستش کی تھی تن سے جدا کر دیا اور آج لوگوں نے اس نازنین بدان کو جو ہمیشہ سونے کے بنے ہوئے تخت پر آرام کرتا تھا فقرا اور مساکین کے تابوت میں رکھ دیا اس لئے ہے کہ شاید دولت مندوں کے لئے باعث عبرت ہو۔ اور فقیروں اور عاجزوں کے حال سے خبردار رہیں کہ کس طرح ذلت کی حالت میں دنیا میں آتے ہیں۔ اور کس خواری سے اس دنیا کو چھوڑتے ہیں اس اثنا میں جب کہ میں دریائے فکر میں غرق تھا اور بارش زور سے آرہی تھی کبھی بادل اور بجلی کی آواز مجھے فکر سے روک دیتی تھی۔ اور سروں کو لانے والی گاڑی کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ حسب معمول مقررہ وقت پر وہ خونیں گاڑی یا کاروان مرگ قبرستان میں وارد ہوئی چند منٹ بعد دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز نے مجھکو چونکا دیا۔ میں اٹھا اور دروازہ کھولدیا۔ دو آدمی داخل ہوئے ایک بڑے بوری کو جس میں کٹے ہوئے سر بھرے تھے زمین پر رکھا ان دو آدمیوں میں سے ایک تو وہی جلاد کا شاگرد تھا جس سے میں قیدخانہ میں ملاقات کی تھی۔ شاگرد نے کہا کہ جناب ڈاکٹر صاحب کہ آج ضرورت سے زیادہ آپ کے لیے سر لایا ہوں امید کرتا ہوں آپ مجھ سے خوش ہوں گے اور محض اس لئے کہ آپ زیادہ دیر تک مصروف رہیں۔ تمام سروں کو آپ کی خواہش پر چھوڑتے ہیں اور کل دفن کر دیں گے اس لئے کہ اس بارش میں ان کا دفن کرنا

اور شرفا کو نہیں سلا سکتے ان کو جس طرح یہ اپنے نرم نرم گدوں اور جھولوں میں اپنے محلوں اور پارکوں میں آرام کرتے تھے یہاں بھی اسی طرح آرام کرنا چاہیئے۔

میں نے ان سے چند باتیں کیں اور وہ چلے گئے چند منٹ بعد قبرستان کا دروازہ بند ہونے کی آواز اور ان کی پاؤں کی چاپ دور سے میرے کانوں میں آئی۔ اُفوہ میں کس قدر چاہتا تھا کہ ان دو جلادوں کے ساتھ قبرستان سے چلا جاؤں۔ مگر میں کہہ نہیں سکتا کہ کسی مخفی قوت اور باطنی کشش نے مجھ کو بھاگنے سے باز رکھا۔ اگر آپ یہ خیال کریں گے کہ اس رات مجھ پر بزدلی ہو گئی تھی۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اس مدت میں مردوں مقتولین اور کٹے ہوئے سروں سے میں ایسا مانوس ہو گیا تھا کہ میرے لئے خوف اور وحشت کوئی چیز نہ رہے تھے لیکن کسی نامعلوم سبب نے تمام رات مجھ کو پریشان رکھا اور میرے دل کی دھڑکن اس قدر تیز تھی کہ مرغ دل قفس سینہ سے خارج ہونا چاہتا تھا اور تمام اعضاء بید کی طرح کانپ رہے تھے۔ اس پریشان حالت میں یکایک آواز حزیں اور میرے کانوں میں ایکدم اپنی جگہ سے اچھل پڑا!!

ایں یہ کیسی آواز ہے؟ کہاں سے آتی ہے؟ دنیا میں صرف ایک شخص سے زیادہ مجھ کو اس نام سے نہیں جانتا کیا سل انٹر میری اس حرکت سے واقف ہو گئی۔ اور اس وقت یہاں آئی ہے کہ مجھ کو اس حالت میں خون آلود دیکھے!

آہ اگر سل انٹر اس مسئلہ سے مطلع ہو جائے تو مجھ کو فوراً چھوڑ دے گی۔ وہ تو ایک چڑیا کے مارنے پر راضی نہیں ہوتی

اس اثنا میں جب کہ میں ان خیالات میں مشغول تھا پھر وہی آواز
میرے کانوں میں آئی - البرٹ جواب کیوں نہیں دیتے - اس دفعہ
میرے حواس جاتے رہے بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرہ کا دروازہ
کھولا شاید بدنصیب لڑکی دروازہ کے پیچھے کھڑی ہو وہاں میں نے
کسی کو نہ پایا اور قریب تھا کہ میں دیوانہ ہو جاوں یا اللہ یہ آواز
کہاں سے آئی ؟ !!

اس وقت میں نے چشم ہوش سے معائنہ شروع کیا کہ ناگاہ
میری نظر اس خونین بوری پر پڑی جس میں سر بھرے ہوئے تھے
خوب کان لگا کر سنا کہ آواز اس بوری میں سے آتی ہے - میں نے
دل میں کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ سر بریدہ بولے !!! یقیناً میں
خواب دیکھ رہا ہوں آنکھوں کو ملتا ہوا پھر بوری کے نزدیک
گیا اور کان لگایا اس دفعہ مجھ کو یقین ہو گیا - کہ آواز بوری ہی
سے آتی ہے - بڑے اضطراب اور عجلت سے میں نے بوری کا
منہ کھولا - اندر ہاتھ ڈالا سروں کو باہر نکالوں اس وقت میں
نے محسوس کیا کہ نازک لبوں نے میرے - ہاتھ کو بوسہ دیا - اس
دفعہ قریب تھا کہ میں بے ہوش ہو جاوں - یہ کس طرح ممکن ہے
کہ سر بریدہ انسان کے ہاتھ کو بوسہ دے !!!

بالآخر سر کو بوری سے باہر نکالا چراغ کے نزدیک لیجا کر
غور سے دیکھا یہ سر بیچاری سسل انٹرنگا تھا !!!
میں نے ایک دم چیخ ماری اور اپنی جگہ سے اچھل کر
اس کے سامنے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑا !
ہو گیا -

چند منٹ کے بعد اس سر نے پھر آنکھیں کھولیں اور بڑی غمگیں آواز سے مکرر کہا۔ البرٹ۔۔۔۔ البرٹ۔۔۔۔ اور حسرت آمیز نظر سے میری طرف دیکھا اور دو قطرہ اس کی آنکھوں سے گرے۔ اور تھوڑی دور اپنی جگہ سے اٹھکر اک گوشہ میں چلا گیا اور کمرہ میں سکوت چھا گیا۔ میں نے چاہا کہ اس جنون کی حالت میں بھاگ جاؤں مگر میرا دامن میز کے پایہ میں الجھہ گیا میں گر پڑا۔ میز گر گئی اور چراغ گل ہو گیا۔ اور زمین پر لڑھک گیا۔ اتفاقا اس سر کی کٹی ہوئی رگیں اس تاریکی میں میرے لبوں سے مل گئیں چند تازہ خون کے قطرے میرے چہرے پر ٹپکے میں نے فریاد کی اور بیہوش ہو گیا۔ دوسرے روز صبح کو جلاد کا شاگرد جو مردوں کو دفن کرنے کیلئے آیا۔ مجھہ کو ہوش میں لایا۔ میں تحقیق کرنے کی غرض سے قبرستان کے باہر آیا معلوم ہوا کہ اسی خط کے ذریعہ سے جو سل انشر کے باپ کا ڈک خانہ میں کھول لیا گیا تھا۔ کل راز افشا ہو گیا۔ اور اسی روز سل انشر کو گرفتار کرکے پھانسی دیدی گئی۔

اس ہوشربا داستان کے سننے کے بعد مجسٹریٹ نے حاضرین سے خطاب کرکے کہا صاحبان آج جب کہ اس خونیں تاریخ کو چالیس برس کا عرصہ ہوتا ہے۔ میں جب کبھی اس کا تصور کرتا ہوں اپنی طبیعی حالت سے خارج ہو جاتا ہوں۔
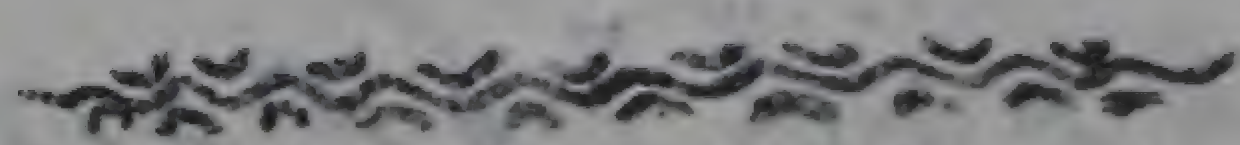
بلّی اور ملازم

یہ قصہ بیان کرنے کے بعد مجسٹریٹ نے غمگین ہوکر سکوت اختیار
اور اس کے چہرہ سے خستگی اور افسردگی کے آثار ظاہر تھے۔ باقی اشخاص
بھی دریائے حیرت میں غرق تھے اور مطلق طاقت گویائی نہ رہی تھی۔ بالآخر
مسیو مول پادری نے مہر سکوت توڑی اور ڈاکٹر سے خطاب کرکے کہا کہ
میں اب امید کرتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کو یہ قصہ مجسٹریٹ کا سننے کے
بعد اب کوئی شک نہ رہا ہوگا۔ کہ سر بریدہ بول سکتا ہے۔ اور
ان کے قول کو ہم جھٹلا بھی نہیں سکتے۔ ایسی حالت میں کہ وہ
خود شاہد ہیں۔

ڈاکٹر نے جواب دیا کہ کبھی بواسطہ حوادث غیر متوقعہ اور
عدم ظریفت انسانی دماغ کسی قدر ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور
اوہام جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا اور کوئی حقیقت
نہیں رکھتے اس کی نظر میں مجسم ہو جاتے ہیں مگر اس شخص کے لئے
عین واقع ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ شخص اسی وہم وخیال میں باقی
رہ جاتا ہے۔ تو یقیناً مر جاتا ہے۔ چنانچہ خود مجسٹریٹ صاحب نے
بیان کیا کہ اول تو وہ شورش کا زمانہ تھا اور اتفاقاً اسی رات کو
جب کہ یہ واقعہ پیش آیا میری انٹوانٹ کو پھانسی دی گئی تھی۔
جو کہ غیر معمولی بات تھی۔ اور بادل اور بجلی نے بھی خاص طور سے
مجسٹریٹ صاحب پر اثر کیا تھا۔ اس پر مقتولین کے سروں
اور لاشوں نے اور وہم کو ترقی دیدی یہاں تک کہ
کہ سولی انٹ کا سر بریدہ دیکھنے کے بعد جنوں کی سی حالت طاری ہوگئی

اور قبرستان میں تنہائی کی وجہ سے وہ تمام باتیں جو وقوع میں آئیں مجسم ہو تی گئیں ورنہ قواعد علمی اور عقلی سے ممکن نہیں کہ سر بریدہ بول سکے

مبہومول نے پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب کیا آپ نے ایسے اشخاص کا علاج کیا ہے۔؟

ڈاکٹر نے جواب دیا نہیں۔ پادری صاحب میں نے خود تو کبھی اس قسم کے مریض کا علاج نہیں کیا مگر بہت سے ڈاکٹروں نے مجھ سے اس قسم کے واقعات بیان کئے ہیں مثلاً ایک انگریز ڈاکٹر نے مجھ سے بعینہ مجسٹریٹ صاحب کا سا قصہ بیان کیا جو میں عرض کرتا ہوں۔ پھر ڈاکٹر نے اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

اس ڈاکٹر کا نام جس نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا ٹمس تھا اور بڑے بڑے امیر اور شریف انگریزوں سے میل جول رکھتا تھا۔ اس کا ایک دوست سول کورٹ میں سشن جج تھا

ڈاکٹر بیان کرتا ہے کہ ایک روز قاضی کے آدمی میرے پاس آئے اور کہا کہ قاضی روز بروز ضعیف اور کم خوراک ہوتا جاتا ہے اور زیادہ تر خاموش اور متفکر رہتا ہے۔ اور جسقدر ہم اس کے اسرار معلوم کرنے پر ضد کرتے ہیں۔ اسی قدر وہ اس کو زیادہ چھپاتا ہے۔ میں نے اپنی پرانی دوستی اور ملاقات کی وجہ سے پہلی مرتبہ ہی قاضی سے اس کا سبب دریافت کیا۔ مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور میں نے کئی مرتبہ سوال کیا۔ اس نے ٹالدیا اور صحیح جواب نہ دیا۔ میں ان باتوں سے سمجھ گیا کہ اس میں کوئی بھید ہے جس کو قاضی ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔

آخر کار اس مرتبہ میں نے حد سے زائد اصرار کیا اور بغیر کسی لحاظ کے کہدیا کہ میں ضرور اس ضعف و سکوت کا بارے دریافت کرونگا قاضی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور مسکرا کر کہا۔ پیارے دوست! جب تم اسقدر اصرار کرتے ہو تو تم سے کہتا ہوں۔ کہ میری طبیعت علیل ہے اور بدقسمتی سے میرے مرض کا کوئی علاج نہیں روحانی مرض ہے اور اوہام میری نظر میں مجسم ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اس مرض میں دو سال نچ گیا تو دیوانہ ضرور ہو جاؤں گا۔

یہ باتیں سنکر میری عجیب حالت ہوگئی اور بڑی حیرت سے میں نے دریافت کیا۔

جنون کس طرح سے ہو جائے گا۔ اور ایسی حالت میں جبکہ دوران چشم۔ آواز کی طرز اور نبض کی حرکت بالکل صحیح ہوا۔ اور کسی طرح سے تمہارے اندر جنون کے آثار نہیں ظاہر ہوتے اور خاصکر آپ جیسے شخص کو علم او رلیاقت کی وجہ سے قضاۃ کے درجہ پر پہونچے ہیں اوہام اور تخیلات کا معتقد نہیں ہونا چاہئے۔ اور اگر بالفرض کسی وقت کسی حادثہ کی وجہ سے تمہاری نظر میں خیال مجسم ہو جائے۔ تو فوراً تم کو یہ سوچنا چاہئے کہ محض وہم ہے اور کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں رکھتا۔

قاضی نے افسردگی سے جواب دیا

ڈاکٹر صاحب۔ بدقسمتی سے تو وہم مجسم کی حد سے بڑھ گیا ہے اور مجھ کو بےکردیا جنتک پہونچ گیا ہے۔ کیونکہ ہر وقت یہی خیال دامنگیر

رہتا ہے۔ میں اس کے وجود کو محسوس کرتا ہوں حتیٰ کہ اس کو اپنے ہاتھ سے چھو لیتا ہوں
ڈاکٹر نے کہا یہ سنکر میرا حوصلہ پست ہو گیا۔ میں نے دریافت کیا وہ کیا خیال
ہے؟ اور کس کی طرف ہے جسکو تم احساس کرتے ہو۔ خدا کے لئے معموں میں
باتیں نہ کیجئے۔

قاضی نے کہا۔ جناب ڈاکٹر صاحب پہلے کمرہ کا دروازہ بند کر دیجئے
تاکہ کوئی شخص باہر سے ہماری گفتگو نہ سن سکے تو پھر میں آپ سے اپنا
مرض بتاؤں گا۔

میں اٹھا اور دروازہ بند کر دیا۔ قاضی نزدیک آیا اور کہنا
شروع کیا۔

کچھ عرصہ ہوا ایک شخص کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ اور اس
کا مقدمہ سرکاری وکیل نے میری عدالت میں دائر کیا۔ بدبختی سے میرے
غرور اور نخوت نے اس بات کی اجازت نہ دی کہ اس معاملہ کو اہم سمجھ کر
اچھی تحقیق و تفتیش کروں۔ شاید اس کی بے گناہی ثابت ہو جاتی مگر میں
نے بے سوچے سمجھے اس کو سزائے موت کا حکم دیا۔ اور اسی روز سزا دیدی
گئی۔ کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ تھا!!!

اس دن تیسرے پہر کو میرے پاس جلاد آیا اور یہ بیان کیا کہ پھانسی
دیتے وقت اس شخص نے تمہارے لئے ایک پیغام کہہ دیا تھا۔ کہ ہر
رات کو چھ بجے تم سے ملنے آئے گا۔ اس پیغام سے میں یہ سمجھا کہ شاید مقتول
کے عزیز و اقارب مجھ سے بدلہ لینے کے لئے آئیں اس لئے وقت سے پہلے

میں نے وہ بوتل لیکر اپنے سونے کے کمرہ میں رکھنے اور نوکروں کو تاکید
کر دی کہ آفتاب غروب ہو چکنے بعد کسی کو اندر نہ آنے دیں۔ اور کمرہ میں داخل
ہو کر میں نے دروازہ بند کر لیا اور کرسی پر انگیٹھی کے قریب بیٹھ گیا۔ اور
کتاب پڑھنے لگا۔ مگر مقتول کے پیغام نے میرے جسم میں عجیب اثر پیدا کر دیا
تھا۔ اور ہر منٹ پر ان لوگوں کا انتظار تھا کہ وہ حملہ کرنے آئیں گے۔ گھنٹہ
کی آواز آنی شروع ہوئی میں انگیٹھی کے اوپر گھنٹہ کو دیکھتا۔ ٹھیک چھ بجے
تھے مگر کسی کے آنے کی آہٹ نہ ہوئی۔ میں بڑے اضطراب سے اٹھا اور
کھڑکی کو بغور دیکھا کہ کہیں کھلی نہ رہ گئی ہو۔ مطمئن ہو کر واپس آیا اور
پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ کچھ دیر اور انتظار کرنا
چاہئے۔ شاید ان لوگوں کو معلوم ہو گیا ہو کہ میں انکی اسکیم سے واقف
ہو گیا ہوں اور موقع کی تلاش میں ہوں۔ اسی اثنا میں بلی کے غرانے
کی آواز کان میں آئی۔ اول تو میں نے کوئی توجہ نہ کی۔ کیونکہ مجھ کو
یقین تھا کہ دروازہ اچھی طرح سے بند ہے۔ پھر بلی کے سانس لینے
کی آواز زیادہ زور سے سنائی دی۔ میں نے مڑکر کرسی کے پیچھے دیکھا
سیاہ بلی دکھائی دی۔ جو بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔
میں بہت متحیر ہوا کہ یہ جانور کس راستہ اور کس ذریعہ سے کمرہ کے اندر
داخل ہوا۔ اور ایسی حالت میں کہ تمام دروازہ اور کھڑکیاں بند ہیں اور
کوئی راستہ کمرہ کے اندر آنے کا نہیں۔ پھر یہ سوچا کہ دروازہ بند
کرنے سے پہلے شائد چارپائی کے نیچے یا کسی دوسری جگہ چھپ گئی ہوگی۔

میں نے گھنٹی بجائی۔ فوراً ملازم دروازہ پر حاضر ہوا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ کچھ غصہ ہوا۔ کہ بلی کو کیوں اندر گھسنے دیا۔ ملازم بھی بہت متعجب ہوا کہ اس مکان میں تو کبھی بلی آتی ہی نہیں۔ اور ہر چند بلی کو تلاش کیا مگر نہ پایا۔ میں نے بھی اسکی کچھ پروا نہ کی اور آرام سے سو گیا۔ دوسرے روز بھی کوئی ہولناک اور پریشان کن واقعہ پیش نہ آیا۔

دوسرے روز رات کو اسی موقع پر جب میں کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھا وہی چھ بجے وہی بلی پھر نظر آئی۔ لیکن اس مرتبہ مجھ ہی جرأت سے میرے زانو پر کود دی۔ میں چونکہ بلی سے نفرت کرتا ہوں اس کو اٹھا کر زمین پر پھینک دیا وہ بھی اس طرح کرتی رہی۔ میں بھی اس کی جرأت دیکھ کر بہت جھلایا۔ اٹھ کر کمرہ میں ٹہلنے لگا۔ اور بلی بھی میرے پیچھے آدھے گز کے فاصلہ پر چلنے لگی۔ اور جدھر میں جاتا تھا وہ گرد ہیں آ جاتی تھی۔ میں نے تنگ آ کر پھر گھنٹی بجائی۔ ملازم آیا اس مرتبہ بھی چارپائی کے نیچے بھاگ گئی۔ میں نے اور ملازم نے بہت ڈھونڈا مگر وہ غائب ہو گئی۔

اس خیال کو دور کرنے کی غرض سے میں اسی رات مکان سے نکلا۔ اور اپنے ایک دوست کے یہاں کچھ وقت گزارنے کے لئے چلا گیا۔ ایک بجے رات کے مکان واپس آیا اس وجہ سے نوکروں کو تکلیف نہ ہو۔ اپنی کنجی سے دروازہ کھول لیا۔ سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر گیا۔ ابھی تک نوکر کے کمرہ کا چراغ روشن تھا۔ اور بات چیت کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ دروازہ کے پیچھے جا کر میں نے کان لگائے تو نوکر خادمہ سے کہہ رہا تھا کہ اس مکان کو

چھوڑ دینا چاہیئے۔ کیونکہ صاحب خانہ دیوانہ ہوگیا ہے۔ اور ایک موہوم بلی کا خیال اس کے دماغ میں سما گیا ہے کل اور آج رات کو اس نے مجھے دوبارہ بلایا اور کہا اس بلی کو نکال حالانکہ بلی کا وہاں وجود تک نہ تھا۔ ملازم کی گفتگو سننے مجھے اور بھی زیادہ ڈرادیا میں نے دل میں کہا کہ کل رات کو چھ بجے سے چند منٹ پہلے ملازم کو کسی بہانے سے بلالونگا تاکہ وہ بھی بلی کو اپنی آنکھ سے دیکھ لے اور پھر مجھ پر جنون کا اتہام نہ لگائے۔ دوسری رات آئی مقررہ وقت سے پہلے میں نے نوکر کو آواز دی۔ اور ایک طول طویل گفتگو چھیڑ کر اس کو کمرہ میں روکا چھ بجنے پر پھر وہی بلی نمودار ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے برابر تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔

میں نے اس خیال سے کہ شاید ملازم خود ہی اس کی طرف متوجہ ہو کچھ اظہار نہ کیا۔ وہ بھی کام میں مشغول تھا۔ اس مرتبہ میں نے اس غرض سے کہ نوکر بلی کو ضرور دیکھ لے۔ اس کو حکم دیا کہ بلی کے اوپر سے کود ے۔ اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ مگر بلی کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ میں زیادہ ضبط نہ کرسکا اور رنجیدہ ہوکر نوکر سے دریافت کیا کہ کیا تم میرے برابر کوئی چیز نہیں دیکھتے ہو؟ نوکر نے ہنس کر جواب دیا کیوں نہیں خباب میں ایک سیاہ بلی آپ کے قریب بیٹھی ہوئی دیکھ رہا ہوں اس بات سے میری وحشت کچھ کم ہوئی۔ اور بلی کو پکڑ کر میں نے نوکر کو دیا کہ کمرہ کے باہر لیجائے وہ بھی بلی کو پکڑ کر کمرہ کے باہر چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد میں اپنے اطمینان کی غرض سے باہر گیا کہ کہیں نوکر نے بات

کی وجہ سے سستی نہ کی اور بلی کو گھر میں چھوڑ دیا ہو۔ نوکروں کے کمرہ کے دروازہ
پہنچا۔ نوکر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے کہ ہمارا آقا بالکل دیوانہ ہو گیا ہے
اور سیاہ بلی کا خیال اس کی نظر میں مجسم ہو گیا ہے۔ اس قدر کہ آج کی رات کچھ
دیر گذرنے کے بعد مجھ سے پوچھا کہ کیا تم میری برابر کسی چیز کو بیٹھا ہوا نہیں دیکھتے
میں نے اس امید میں کہ شاید اس خیال سے ہٹ جائے جواب دیا کہ ایک سیاہ
بلی آپ کے برابر بیٹھی ہے۔ بیچارہ آقا تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اور
خیال کیا کہ بلی ضرور حقیقت رکھتی ہے۔ پھر تخت کے نیچے ہاتھ لیجا کر اپنے خیال
میں بلی کو پکڑ کر مجھے دیا کہ میں باہر لے جاؤں۔ میں اس کی خوشی کی غرض سے
جیسے کہ واقعی بلی کو پکڑے ہوئے ہوں بغل میں لے کر کمرہ کے باہر آیا حالانکہ
سیاہ بلی کا حقیقت میں کہیں وجود نہ تھا۔ مگر ہمارے آقا کے تخیل میں۔
افسوس بیچارہ . . . . . بالآخر اسی خیال میں مر جائے گا۔

یہ روح فرسا تحقیقات سننے کے بعد میں ایکدم ہٹ آیا اور زیادہ وہاں
نہ ٹھہر سکا یاس و ناامیدی کا لایا اپنے کمرہ میں آکر سو رہا۔ دوسرے روز رات کو
ٹھیک سیاہ بلی آموجود ہوئی۔ اور صبح تک میرے کمرے میں رہی۔

الغرض اکتیس راتوں تک وہ سیاہ بلی باقاعدہ ٹھیک وقت پر
آجاتی یہانتک کہ ہم ایک دوسرے سے گوش ہو گئے تھے۔ اور پھر میں اس
مسئلہ میں اپنے نوکر سے کچھ نہ پوچھا کرتا تھا۔ بتیسویں رات کو چھ بج گئے اور
تعجب یہ کہ بلی نہ آئی پیارے دوست میں اپنی مسرت کا کیا بیان کروں جو
اس جانور کے نہ آنے سے ہوئی تمام عرصہ میں نے ایسی رات اس خوشی

اور راحت میں بسر نہ کی ہوگی۔ دوسرے روز بھی میں نے خوشی خوشی تمام
کی۔ اور سورج غروب ہوتے ہی اپنے کتب خانہ میں مطالعہ میں مشغول ہوگیا۔
چھ بجے کا وقت آگیا اور وہ سیاہ بلی نہ آئی۔ گھڑی نے بجانا شروع کیا
ایک دو تین۔ چار۔ پانچ۔ افسوس چھٹا گھنٹہ ختم نہ ہوا تھا کہ میں نے دیکھا
کہ کمرہ کا دروازہ کھلا۔ اور ایک شخص نوکر یا پارلیمنٹ کا لباس پہنے ہوئے
تھا متانت سے داخل ہوا۔ میں نے خیال کیا وزیر عالیہ کی طرف سے کوئی
ضروری پیغام لایا ہوگا۔ اشارہ سے میں نے اسے اپنی طرف بلایا اس نے
مطلق توجہ نہ کی میں آئینہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس شخص کو اچھی طرح دیکھ
رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے پوچھا کیا کام ہے؟ جواب نہ دیا۔ میں نے
پھر پوچھا وہ پھر خاموش رہا میرا حوصلہ پست ہوگیا۔ اٹھا اور کمرہ میں
ٹہلنے لگا۔ وہ شخص بھی اٹھ کر میرے پیچھے ٹہلنے لگا۔ میں نے گھنٹی بجائی نوکر
حاضر ہوا۔ مگر جس طرح کہ بلی کو نہ دیکھا تھا۔ اس شخص کو بھی نہ دیکھا۔ تھوڑی
دیر کھڑا رہا اور چلا گیا۔ پھر میں اور وہی شخص رہ گئے میں نے ہر چند کوشش
کی کہ میرے سوالات کا جواب دے کچھ گھور کر دیکھتا رہا۔ بالآخر میں مایوس
اور پریشان ہو کر ہونٹ چباتا ہوا بستر میں گھس گیا وہ شخص بھی۔ آرام کرسی
گھسیٹ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ اور اپنی آنکھیں میری طرف گاڑ دیں۔
جب میں نے دیکھا کہ اس شخص سے رہائی ناممکن ہے۔ اپنا منہ اس کی طرف
سے پھیر دیا۔ مگر کیسی نیند اور کہاں کی نیند جو ہوشیاری سے بدتر تھی

ہر لحظہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چراغ کی مدھم روشنی میں اس شخص کو اپنے سامنے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ صبح تک اسی حالت اور خیال میں گرفتار رہا۔ اور تکان کی وجہ سے بیہوش ہو گیا۔ جس وقت اٹھا۔ وہ شخص غائب ہو گیا تھا۔ دن میں کچھ دیر سو سہا رات کا خیال جاتا رہا۔ دوسرے روز ایک دوست کے مکان پر میری دعوت تھی۔ چھ بجے کے قریب نوکر کو تبدیل لباس کے لئے بلایا اور کمرہ کا دروازہ مضبوط بند کر دیا۔ گھنٹہ میں چھ بجنے پائے تھے کہ میں نے دیکھا کمرہ کا دروازہ کھلا اور گذشتہ رات کا حریف داخل ہوا بے اختیار دوڑا دروازہ کو دیکھا اسی طرح بند تھا یہ قدیمی رفیق پہلی رات کی طرح آیا اور میری کرسی کے پیچھے بیٹھ گیا جب کہ میرا نوکر لباس صاف کر رہا تھا وہ مطلق اس شخص کے آنے پر متوجہ نہوا معلوم ہوا کہ پہلی کی طرح اسکو بھی اس نے نہیں دیکھا۔ اور اسی طرح غیر مرئی تھا زیادہ تعجب یہ کہ یہ ناخواندہ مہمان نہایت سلیقہ سے میرے نوکر کی مدد کر رہا تھا۔ مثلاً اگر جوتا صاف کرتا تھا تو وہ میری ٹوپی اٹھا کر صاف کرنے لگتا تھا!!

جانے کا وقت قریب آگیا۔ میں کمرہ سے باہر آیا۔ وہ بھی کود کر باہر آگیا میں سمجھا کہ اب اس کے شر سے رہائی مل جائے گی افسوس جونہی میں سیڑھیوں سے اتر کر گاڑی میں سوار ہونا چاہتا تھا۔ دیکھا وہ شخص گاڑی والے کے پاس پہلے ہی سے جا بیٹھا تھا۔!!!

میں اس میزبان دوست کے دروازہ پہ پہنچا اور گاڑی سے اترا وہ وہ آدمی بھی دو گز کے فاصلہ پر میرے پیچھے کھڑا تھا۔ اس دفعہ میں نے

سوچا کہ گاڑی والے سے حقیقت امر کو دریافت کروں۔ نزدیک جاکر اس
سے سوال کیا کہ کیا اس نے اس شخص کو اپنے پہلو میں دیکھا تھا۔ معلوم
ہوا کہ کسی طرح اس نے بھی اس کو نہیں دیکھا!!!

بالآخر میں آگے آگے اور وہ شخص پیچھے پیچھے گھر میں داخل ہوئے۔ گھر
مہمانوں سے بھرا تھا میں نے اپنے بعض دوستوں سے کسی نہ کسی تقریب سے
پوچھا کہ کیا تم ایسے شخص کو اس جگہ دیکھتے ہو؟ نہایت حیرت و تعجب سے انہوں
نے جواب دیا نہیں۔ اسوقت مجھکو یقین حاصل ہو گیا کہ میں بالکل دیوانہ ہو گیا
ہوں۔ اس رات سے بیماری اور غمگینی اور غیر معمولی خاموشی کے آثار مجھ میں
ظاہر ہوئے جس نے میرے دوستوں اور عزیزوں کو پریشان کر دیا اور
آپکو اس مسئلہ کی تحقیق پر مقرر کیا۔

بہر صورت محفل رقص ختم ہوئی اور میں صاحب خانہ سے رخصت ہو کر
سوار ہونا چاہتا تھا۔ کہ وہی شخص آیا اور گاڑی کا دروازہ کھولا۔ میں داخل
ہو گیا۔ پھر دروازہ بند کر لیا اور گاڑی والے کے پاس جا بیٹھا۔ جب میں
مکان پہونچا تو میرے ساتھ تھا گھر میں داخل ہوا۔ اور گذشتہ شب
کی طرح کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور گھور گھور کے دیکھنے لگا۔ اس وقعہ میں نے چاہا کہ ٹھیک
ٹھیک جانچ کروں۔ بستر سے اٹھ کر مجھ میں جسقدر طاقت تھی اتنے ہی زور
سے اس کرسی پر جا پڑا اگرچہ مجھے کسی ذی وجود کا احساس نہ ہوا۔ جب سامنے
کے آئینہ میں دیکھا کہ وہی شخص کرسی کے پیچھے کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے پھر میں
کرسی سے اٹھ کر بستر میں جا لیٹا وہ فوراً آکر اسی کرسی پر بیٹھ گیا یا المدد آ

ہیں کیسی پریشانی میں بسر کی۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ میں کس وقت بیہوش ہوا صبح جب میں اٹھا تو کمرہ میں کوئی نہ تھا۔

پورے ایک مہینہ تک میں جہاں کہیں ہوتا یہ وجود بے بود میرے ساتھ رہتا اکتیسویں رات گذر گئی مگر وہ مصاحب لاینفک حاضر نہوا۔ اس دفعہ میں بخلاف سابق جیسا کہ بلی کے غائب ہونے سے خوش ہوا بہت پریشان ہوا اور اس سے زیادہ دہشتناک حیوان یا انسان کی ملاقات کا منتظر تھا۔ دوسری رات بھی نہایت خوف اور پریشانی میں بسر کی اسی فکر میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک کسی کے پاوں کی آواز آئی کہ میرے پیچھے بڑی احتیاط سے چل رہا ہے جونہی میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک مردہ کفن میں لپٹا ہوا میرے پیچھے کھڑا تھا۔

(۹) قبرستان کے دروازہ کے نزدیک گیا تو پھر کان لگا کر سنا اور مجکو یقین ہوا کہ یہ مسئلہ حقیقت میں صحیح ہے۔ اور اسی گڑھے میں آواز آرہی تھی میں نے لیمپ جلایا۔ اور قبرستان میں گیا سیدھا اس گڑھے پر پہنچا۔ امید کے خلاف جتنا نزدیک ہوتا جاتا تھا اسی قدر وہ آواز ضعیف ہوتی جاتی تھی۔ یہانتک کہ جب اس گڑھے کے کنارے پر پہنچا۔ تو بالکل بند ہوگئی میں نے لیمپ کو رسی میں باندھ کر اس گڑھے میں نیچے اتارا تاکہ اس آواز کی حقیقت معلوم کروں جونہی میں نے سر کو قریب لے جا کر غور سے دیکھا مجھکو ایک انسان کی شکل نظر آئی کہ بادشاہوں کی ہڈیوں کے درمیان الٹا پڑا ہوا بیہوش ہوگیا ہے۔ گویا اس عالم کو ہی چھوڑ گیا ہے میں تھوڑی دیر ٹھیرا رہا کہ اس کو

ہوش آئے تو پوچھوں کہ تو کون ہے اور یہاں اسوقت کیوں پڑا ہے؟
اس نے جواب دیا۔ کہ آہ مسیو لنوار میں وہی مزدور ہوں جس نے بے ادبی سے آج ہنری چہارم کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ میری التجا ہے کہ پہلے مجھکو اس خوفناک گڑھے سے نکال لیجئے۔ پھر میں آپ سے مفصلاً بیان کرونگا میری گفتگو کے درمیان میں محافظ کو یقین ہو گیا کہ اس کا سروکار زندہ سے ہے نہ کسی مردہ سے وہ فوت ہو گیا اور چھوٹی سی سیڑھی لے آیا۔ میں نے اور اس نے گڑھے میں اُتاری اور مزدور سے اوپر آنے کو کہا۔ وہ گھسیٹتا ہوا سیڑھی کے قریب پہنچا۔ جب وہ سیڑھی پر چڑھنا چاہتا تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ اس کا ایک ہاتھ اور پاؤں ٹوٹ گیا ہے اور کسی طرح اوپر نہیں چڑھ سکتا میں نے اور میرے دوست نے مجبوراً اس کی کمر میں رسی باندھ کر ہزاروں دقتوں سے اس بد بخت کو مردوں کی ہم نشینی سے نجات دلائی اور اوپر آکر پھر بیہوش ہو گیا ہم اس کو اُسی حالت میں سیڑھی پر لٹا کر کلیسا میں لے آئے۔ فوراً محافظ جراح کو بلا لایا۔ اور معالجہ میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑے سے علاج کے بعد جس سے مزدور کو ہوش آگیا ہم نے جراح کو رخصت کیا اور خود تحقیق مسئلہ کی غرض سے مزدور کے پاس رہ گیا۔
اس مزدور نے بیان کیا کہ کل کے غصہ اور نکالدیئے جانے سے مجھکو افسوس اور ملال نہ تھا کیونکہ میں نے چند روز کی معاش کے لئے روپیہ پیدا کر لئے تھے۔ اور کلیسا سے سیدھا شراب خانہ پہنچا اور بڑی خوشی سے میں نے شراب اُڑائی پہلی اور دوسری بوتل خالی کرکے میں نے

تیسری اور منگائی تھی یہ۔ اس اثنا میں دکاندار آیا اور مجھکو دیکھتے ہی بگڑ گیا اور اپنے نوکروں سے کہا کہ اس شخص کو تم نے دکان میں کیوں آنے دیا انمیں سے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ عذر کیا۔ مگر ان باتوں سے اس کے غصہ کی آگ کم نہ ہوئی۔ وہ میرے قریب آیا اور کہا۔ کہ تو وہی آدمی نہیں ہے جس نے ہنری چہارم کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ میں نے کہا ہاں مگر اس سے کیا ہوا؟ اُس نے کہا بیوقوف۔ میں کسی ایسے شخص کو جو ایسے عادل بادشاہ کے ساتھ۔ بے ادبی کرے اپنی دکان میں نہیں گھسنے دیتا اور فقط جلد تم یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ زبردستی نکال دونگا۔ میں نے کہا۔ میں تجھے ابھی دکھائے دیتا ہوں۔ کہ تو مجھ کو یہاں سے زبردستی نہیں نکال سکتا یہ کہہ کر میں اٹھا۔ اور خالی بوتلوں کو اٹھا کر اس کی طرف پھینکا دکاندار نے اپنے نوکروں کو آواز دی اور تین آدمی لکڑیاں لیے ہوے دکان کے نیچے سے مجھ پر ٹوٹ پڑے جب میں نے دیکھا کہ میں چار آدمیوں کے مقابلہ کا نہیں ہوں تو لڑائی کے آخری ہتھیار یعنی فرار کو اختیار کیا۔ اور دکان سے بھاگ نکلا۔ گھنٹہ بھر تک سینٹ ڈینس کے کوچوں میں سرگردان و پریشان پھرتا رہا۔ یہانتک کہ شام ہو گئی۔ موافق معمول ایک قہوہ خانہ میں جہاں مزدور کھانا کھایا کرتے تھے پہنچا۔ جب میں کھانا کھا رہا تھا تو مزدور جو ابھی کام چھوڑے ہوے آئے تھے۔ مجھکو دیکھتے ہی کھانا چھوڑ کر قہوہ خانہ کے بیچ میں کھڑے ہو گئے اور مالک قہوہ خانہ سے کہنے لگے کہ اگر آج یہ شخص یہاں کھانا کھائیگا تو ہم جس راستہ سے آئے ہیں

واپس چلے جائیں گے۔ مالک نے پوچھا اس آدمی نے کیا قصور کیا ہے ؟
سب نے ایک آواز میں جواب دیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے آج ملک
میں تمام ملت فرانس کے محبوب ترین بادشاہ ہنری چہارم کے منہ پر
طمانچہ مارا تھا۔

اس لیے ایمان ہوٹل کے مالک نے میرے پاس آکر زور سے میرا بازو
پکڑا۔ اور کہا کہ جو کچھ تو نے کھایا خدا کرے وہ زہر مار ہو اور بڑے زور سے
مجھے قہوہ خانہ سے نکال دیا۔ اسوقت غصہ اور افسوس ہوا ایسی ذلیل
زندگی سے دنیا تیرہ و تار معلوم ہونے لگی اور مجھے کہیں جائے پناہ نہ تھی
سوائے اس مکان کے جہاں میں رہتا تھا۔ اس جگہ پہنچا تو برخلاف
عادت اس مکان کا دروازہ بند تھا۔ میں نے گھنٹی بجائی۔ دوسری
منزل کے مکان والے نے کھڑکی کھولی اور پوچھا کون ہے؟ میں نے
نام بتایا۔ اس نے کہا کیا تو وہی شخص نہیں ہے۔ جس نے آج ہنری چہارم
کے طمانچہ مارا تھا۔

میں نے کہا ہاں وہی ہوں۔ فوراً اس نے کھڑکی بند کر لی اور
چلا گیا۔ میں نے خیال کیا اسے آکر دروازہ کھولیگا۔ تھوڑی دیر آکر کھڑا رہا
پھر کھڑکی کھلی۔ اور میرے سامنے ایک گٹھری آگری۔ میں نے سر اٹھا کر صاحب خانہ
سے پوچھا کہ یہ گٹھری کیا ہے۔ اس نے کہا جو شخص ایسے لائق بادشاہ
کے ساتھ ایسی بے ادبی کرے وہ ہمارے مکان میں رہنے کے لائق نہیں اور
فوراً اس نے کھڑکی بند کر لی۔ جب میں نے دیکھا ایسے صاحب خانہ جیسے

تمسخر ہے اور میری عاجزی اور گریہ وزاری نے اس پر مطلق اثر نہیں کیا تو اپنا
مختصر سا اسباب اٹھا کر کوچہ کے موڑ پر آسمان کے نیچے جو بے فکروں اور
لاابالیوں کا قصر رفیع ہے سو رہا۔ نصف شب کے قریب عالم خواب میں
میں نے ایک ہاتھ کو محسوس کیا۔ جس نے بڑی نرمی سے میرے شانے کو چھوا
اور مجھ کو جگایا۔ میں ڈر کر اٹھا ایک سفید پوش عورت کو اپنے سامنے کھڑے ہوئے
دیکھا جو انگلی سے میری طرف اشارہ کر رہی ہے میں نے خیال کیا کہ شاید قصبہ کی کسی
عورت کو میری حالت زار پر رحم آگیا ہے اور غریب نوازی سے میرے پاس
آئی ہے کہ مجھ کو اپنے گھر لیجائے میں فوراً اٹھکر اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ ہر گلی
کے موڑ پر جب پہنچتے تھے وہ عورت کھڑی ہو جاتی تھی گویا کہ وہ اطمینان
کر لینا چاہتی ہے۔ اور پیچھے کو دیکھ لیتی تھی اور مجھ کو اشارہ سے سمجھا دیتی تھی
کہ اس کے پیچھے چلا آؤں مجھے بھی تاکید کی حاجت نہ تھی ہم اسقدر دور
ہو گئے کہ آبادی سے خارج ہو گئے۔ اور باغوں میں داخل ہوئے۔ میں نے
خیال کیا کہ یہ عورت شاید باغوں میں علیحدہ مکان رکھتی ہے۔ تھوڑا
سا اور راستہ طے کرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ عورت غائب ہے۔
بالآخر میں قبرستان کے وسط میں کھڑا ہوں!!!

میں نے چاہا کہ جس راستہ سے آیا تھا لوٹ جاؤں ناگاہ [illegible]
کی شکل کو اپنے سامنے دیکھا جو کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ نہایت غیظ و غضب سے میری
طرف دیکھ رہا ہے اور دونوں ہاتھ میری طرف دراز ہیں۔ میں خوف
اور دہشت سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ فوراً وہ شکل ایک قدم آگے بڑھ آئی

اسی طرح میں چند قدم پیچھے ہٹا اور آگے بڑھا۔ یہانتک کہ میں نے یہ محسوس کیا کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی۔ اور بادشاہوں کے گڑھے میں گر پڑا۔ بس یہ سمجھو کہ ہنری چہارم کی تمام اولاد میری منتظر تھی۔ اور سب کے سب کفن میں لپٹے ہوئے پتھر اور لکڑیوں سے مجھ پر لپٹ پڑے۔ اور میرے مارنے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتا تھا۔ جو پتھر اور لکڑی مجھ پر پڑتی تھی میرے اعضا چور چور ہو جاتے تھے اسوقت میں شور و فغاں کر رہا تھا۔ جب آپ نے مجھکو اس مصیبت کی رات سے نجات دی افسوس میں نے ہرچند کوشش کی اس بدبخت جنوں زدہ کو تسلی و تشفی دوں۔ اور اس کے دماغ سے فضول خیالات دور کردوں۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس کے حواس بالکل معطل ہو گئے تھے۔ اور مسلسل فریاد کرتا تھا کہ معاف کرو معاف کردو۔ تین روز بعد جان۔ جاں آفریں کو سپرد کردی۔

ڈاکٹر نے کہا۔ عزیز دوست بغیر اس کے کہ میں آپ کے قصہ کو جھٹلاؤں یہ عرض کرتا ہوں کہ کسی صورت سے اس قسم کے واقعات دعوے کو ثابت نہیں کرسکتے کیونکہ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے یہ مرد در حقیقت میری انٹوانٹ کا قتل اور اہالی پیرس کے شور و غل اور اس کے بے ادبانہ حرکت اور خلقت کے اظہار نفرت اور ہونٹوں سے نکالے جانے کی وجہ سے غصہ میں حالت طبیعی سے خارج ہو گیا۔ اور رات کی تاریکی نے اس کے خیالات اور توہمات میں اور امداد کی بلا ارادہ اور بے خیال گلی کوچوں میں پھرنے لگا آخرکار یہ موہوم خیال اس کی نظر میں

جم گیا۔ اور وہ قبرستان میں آگیا۔ چونکہ رات اندھیری اور جگہ ہولناک تھی۔ عدم ظرفیت کی وجہ سے گھبرا گیا۔ آگے بڑھتا گیا یہانتک کہ گڑھے میں گر گیا۔ پس بلا تردید میں یہ کہتا ہوں کہ خیالات اور توہمات کے غلبہ کی وجہ سے اسے مرنا پڑا
شوالیہ لنوار نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب مہربانی فرماکر میرے قصہ کو غور سے سنئے جو اتفاقات عالم کے عجائبات میں سے ہے۔
۲۰ جنوری ۱۷۹۴ء تک کلیسائے سینٹ ڈینس میں کوئی کوئی قبر ایسی نہ تھی جو نہ کھولی گئی ہو انقلاب پسند کمیٹی سے اجازت لے نیکے بعد ہم کلیسا کی مرمت اور اس کے دروازے بند کرنے میں مشغول ہوئے کلیسا کے محافظ نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک روز رات کو کلیسا کے انتظامات سے فارغ ہوکر آرام سے سو رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادشاہ کا جنازہ شاہی قاعدہ کے مطابق آیا ہوا ہے۔ آداب و رسوم شاہی بجا لائے گئے۔ صبح ہوتی۔ پہلے تین شخص جنکے طرز لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ شاہزادے ہیں پڑے ادب سے آئے اور جنازے کے سامنے کھڑے ہو گئے دعا پڑھنے کے بعد تاج سلطنت۔ شمشیر عدالت گوئے جواہر کو کہ یہ تینوں سلطنت

کے درباری نشان ہیں ہاتھ میں اُٹھا کر آگے آگے اور
چار شخص اور جو سلطنت کے خاندان میں سے تھے
پیچھے پیچھے بڑے احترام سے تابوت کے چاروں گوشے
اٹھائے ہوئے آل بوربن کے مقبرہ کی طرف جو لوئی
شانزدہم کا خاندان ہے چل دئے اور تمام لوگ
بھی سکوت اور سوگواری کے حالت میں جنازے کے
پیچھے روانہ ہوئے جب قبر کے پاس پہونچے تو یادری
سیڑھیوں کے نیچے اترا حسب معمول اول وہ شخص جو
بادشاہ کی مخصوص تلوار لئے تھا داخل ہوا اس کے
بعد وہ دونوں شخص بھی اترے۔ مگر باقی ماندہ
اشخاص اسی احترام اور اعزاز کے ساتھ قبر کے
چاروں طرف کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی
کہ وہ لوگ بادشاہ کے دفن سے فارغ ہوکر باہر آئے۔
اور اسی ترتیب سے آئے اور کلیسا کے گنبد کے نیچے
وہ تین سلطنتی علامتیں جو قبر میں اتاری تھیں کھڑے
ہو گئے۔ اور یہ تمام جمیعت جو تین سو سے زیادہ تھے
سلطنت کا جھنڈا لئے ہوئے فوجی قاعدے سے ان کے

سامنے سے گزرے اس کے بعد ایک شخص جوان میں مسن تھا
بند پر چڑھا اور تین مرتبہ اس نے نعرہ لگایا اعلیحضرت
بادشاہ فرانس نے وفات پائی۔ اور زندہ باد بادشاہ جدید
حضار نے بھی بہ یک زبان کہا زندہ باد اعلیحضرت۔ فوراً
کلیسا کی دوسری جانب سے جیسا کہ اعلان بادشاہ کے موقع
پر معمول ہے بگل کی آواز آئی اور رفتہ رفتہ یہ اشخاص میری
نظر سے گذر گئے۔ اور چراغ خود بخود خاموش ہوگئے تمام کلیسا
میں سکوت اور تاریکی چھاگئی اور میں بیہوش ہوگیا۔

اس بدبخت جاہل محافظ نے رات کا واقعہ دوسرے روز
صبح کو لوگوں سے بیان کردیا۔ اور اس کا عقیدہ یہ تھا کہ سلطنت
فرانس باوجود قوم کی اس قدر عداوت و نفرت کے ایک
روز ضرور خود مختار ہوگی۔ اور وہ دن آئے گا کہ اسی ترتیب
سے جیسا کہ کل رات کلیسا میں دیکھا گیا ایک بادشاہ کے جنازے
کو اسی کلیسا میں بڑے احترام سے دفن کیا جائے گا۔ یہ خبر
تمام پیرس میں پھیل گئی۔ اور انقلابی کمیٹی نے غصہ میں آکر
اس غریب کو دو سال کی قید کردی۔

اسکے تئیس سال بعد ۲۰ ستمبر ۱۸۲۴ء کلیسائے سنیٹ ڈینس

میں اس محافظ نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ جناب
شوالیہ۔ آج آپ تیس سال بعد وہ واقعہ جو میں نے
اس کلیسا میں دیکھا تھا۔ اور پیشین گوئی کی تھی آپ اپنی
آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مطلب یہ تھا کہ لوئی ہجدہم برادر
لوئی شانزدہم کو اس روز کلیسائے سینٹ ڈہنس میں دفن
کیا گیا۔ اور اس کے بھائی شارل دہم کا اسی ترتیب
سے جیسا کہ اس محافظ نے تیس سال بیشتر مجھ سے کہا تھا
اعلان کیا۔

اب ڈاکٹر صاحب میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس
واقعہ کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے۔

جب ڈاکٹر نے دیکھا کہ عقائد باطلہ کی اکثریت ہے
چپ ہوگیا اور یہ خاموشی آیہ مول کے کھلنے کا باعث ہوئی
بولا کہ حضرات یہ تمام قصے میرے عقائد کے موافق ہیں۔
میں نے بھی ایک عجیب وغریب قصہ اپنی آنکھوں سے دیکھا
ہے ڈاکٹر صاحب تو یقیناً مجھے دیوانہ اور پاگل سمجھنے لگیں گے
سب نے بالاتفاق آپ مول سے خواہش کی کہ اپنی حکایت کو
سنائیے۔ اس نے اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

پروفیسر کارٹر کے متعلق شہر میں عجیب و غریب افواہیں پھیل رہی تھیں۔ کوئی پاگل سمجھتا تھا کوئی دیوانہ و مجنوں۔ خاص خاص لوگوں نے اس سے ملنے کی کوشش کی لیکن کارٹر کے ملازمین نے کسی کو بھی مکان میں داخل ہونے نہ دیا۔ لوگوں کی زبانی مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ کارٹر کسی خاص چیز کے تجربہ میں مصروف ہے۔ میں نے اس کا بیڑا اٹھایا کہ کسی نہ کسی طرح اسکا پتہ لگایا جائے

جاندار درخت

میں کارٹر کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں ۵۰ فٹ لمبی رسی خرید لی۔ کیونکہ میں یہ سمجھا ہوا تھا کہ اجازت نہ ملنے کی صورت میں دیوار سے اترنا پڑے گا۔

کارٹر نے شہر سے دس میل کے فاصلے پر ایک وسیع زمین خرید لی تھی۔ اس زمین کے وسط میں مکان تھا تمام زمین کو ایک اونچی دیوار گھیرے ہوئی تھی۔ میں مکان پر پہنچا صدر دروازہ پر ایک ملازم نے روکا میں نے اپنا کارڈ پیش کیا۔ اس نے سر ہلا کر کہا افسوس ہے کہ آپ

کاش کہ یہ پروفیسر صاحب آپ سے نہیں ملسکتے اور نہ انہیں الزامات کی کچھ پرواہ ہے۔ نوکر تو یہ کہکر اندر چلا گیا اور میں وہیں منہ دیکھتا رہ گیا۔

آخر ناامید ہوکر لوٹا اور دیوار کے ساتھ ساتھ تھوڑی دور چلا۔ اتفاق سے ایک بڑے درخت کی شاخیں دیوار سے باہر کی طرف جھکی ہوئیں ملیں۔ میں ان شاخوں کے ذریعہ درخت پر چڑھکر رسی کی مدد سے دیوار کے اندر کود پڑا

اندر کی تمام زمین جنت ارضی معلوم ہوتی تھی جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی۔ رنگ برنگ کے پھولوں کے تختے پھیلے ہوئے تھے۔ میں آہستہ آہستہ دبلے پاوں چور کی طرح مکان کی طرف بڑھا۔ ہر لحظہ یہی فکر دامنگیر تھی کہ جلد سے جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں اور اپنے ناظرین کے سامنے اس مسئلہ کے متعلق صحیح معلومات پیش کرسکوں میں زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ میں نے ایک ایسی خوشبو محسوس کی جو دوسری عام خوشبوؤں سے مختلف تھی۔ یہ بہت زیادہ جاذب اور موثر تھی۔ جس نے میرے

جسم میں کپکپی پیدا کر دی۔ اور بار بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہونے لگی کہ میں فی الفور واپس بھاگ جاؤں۔ خوشبو میں کھو یا رہا اور میری قوت فیصلہ معطل ہو گئی میں نہیں جانتا تھا کہ بھاگ جاؤں یا کھڑا رہوں۔ ہمت کر کے آگے بڑھا۔ صرف تیس چالیس قدم چلا تھا کہ ایک ایسی جگہ پہونچا جہاں ایک ایسی چیز ایستادہ تھی جس کو دیکھ کر میرے ہوش و حواس جاتے رہے۔

اس کھلی جگہ کے وسط میں ایک ایسی چیز اُگی ہوتی تھی جس کی تفصیل پیش کرتے ہوئے لرز جاتا ہوں بظاہر تو یہ اک درخت تھا۔ بہت بڑا درخت جس کا قد ۲۵ فٹ اور گھیرا ۱۲ فٹ ہوگا وہ بلندی پر بھی کم از کم دو فٹ چوڑا تھا اور اس پر کئی چیزیں لٹک رہی تھیں۔ جنہیں پتے تو نہیں کہہ سکتے البتہ انسان کے کان سے ہو بہو مشابہ تھیں۔ جس چیز نے مجھے زیادہ خوف زدہ بنا دیا وہ اس درخت کا انسانوں کی طرح حرکت کرنا۔ شکلیں اور حالتیں بدلنا جسم کا گھٹنا۔ بڑھنا اور میری طرف دیکھتا تھا دو آنکھیں میری طرف دیکھ رہی تھیں اور میرا خون خشک ہو رہا تھا

میں نے گھانس میں کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی دیکھی نیچے کی طرف دیکھا وہ ایک بہت بڑی شاخ تھی جو زندہ سانپ کیطرح بل کھاتی لچکتی اور رینگتی ہوئی میری طرف بڑی چلی آرہی تھی میں نے پہلی دفعہ محسوس کیا کہ یہ سانپ نما چیز اس درخت کا عضو ہے اور تنے سے تعلق رکھتی ہے میں نے خوف سے ایک چیخ ماری اور بھاگنے کی کوشش کی۔ رینگنے والی چیز کود کر مجھ پر حملہ آور ہوئی۔ اور میری کمر کے اطراف لپٹ گئی۔ پوری قوت سے دیوانہ وار اس کو نوچ کر اور کھینچ کر اپنے سے جدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر بے سود میں اس درخت کی طرف زبردستی کھینچا جارہا تھا۔ درد و کرب اور خوف وہراس سے ایک چیخ نکلی۔ درخت کے تنے سے ایک بہت بڑا سوراخ نمایاں ہو رہا تھا۔ جس کے دونوں لب خون کی طرح سرخ تھے اور میں اس سوراخ کی طرف کھینچا گیا وہاں تک پہونچتے پہونچتے بیہوش ہوگیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھا جو مجھ پر جھکی ہوئی میری تیمار داری کر رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا صاحب حرکت نہ کیجئے، آپ کی ایک پسلی ٹوٹی ہوئی ہے۔

بلند قامت سفید بھورے بالوں والا ایک شخص جو علیحدہ

کھڑا تھا میری طرف آیا۔

میں خوش ہوں کہ تم اچھے معلوم ہوتے ہو؟ میں بر وقت تمہاری امداد کو پہنچا ورنہ خدا جانے ۔ ۔ ۔ ۔ یہ پروفیسر کارٹر تھا اور نوجوان لڑکی اس کی بیٹی ایسوبل تھی۔

میں کئی دن بستر علالت پر پڑا رہا۔ میں خوش تھا کہ ایک حسین لڑکی میری تیمارداری کر رہی تھی اور ایک تحقیق سے گھر میں رہنے کا موقع ملا۔ میں نے اس ہیبت ناک بلا کے متعلق کوئی بات نہیں پوچھی۔ ایک دن پروفیسر صاحب نے کہا۔ میں تمہاری پہلی چیخ ہی پر تمہاری مدد کو دوڑا۔ قریب تھا کہ درخت تمہیں نگل لیتا۔ مگر میں نے اسے حکم دیا کہ وہ تمہیں چھوڑ دے۔ درخت نے فوراً تعمیل کی۔"

میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ اس نے تمہارا حکم مان لیا؟

بالکل یہ مجھ کو اپنا آقا مانتا ہے۔ اس کی عمر صرف چھ ماہ کی ہے اس عرصہ میں اس کی ضروریات اس کو مہیا کرتا رہا ہوں۔

لیکن یہ ہے کیا میں نے پوچھا؟

میرے بھائیوں نے برسوں تک انسان اور حیوان کی درمیانی کڑی بندروں کے مطالعہ کرنے پر صرف کی ہے جس چیز کو تم نے

دیکھا ہے۔ یہ حیوانات اور نباتات کے درمیان کڑی ہے
یہ ابھی اپنی نشو و نما کی ابتدائی منزل میں ہے۔ اب صرف
اتنی کسر باقی ہے کہ یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت
بھی کر سکے گا یا نہیں۔ آج سے ۲۰ سال قبل مجھے ایک پو دا ملا
تھا جس پر میں نے اپنے نظریہ کی بنیاد رکھی تھی اور برابر
۲۰ سال سے میں تجربہ کر رہا ہوں۔ جس کا نتیجہ تم نے خود اپنی
آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ مجھے اپنی کوشش پر ناز ہے
میں نے دنیا کے سامنے ایک ایسی چیز پیش کی ہے۔ جس سے
ایک انقلاب ہونے کی توقع ہے۔

گھڑی نے دس بجائے اور پروفیسر نے چونک کر کہا
یہ کھانے کا وقت ہے۔ کیا تم میرے ساتھ یہ تماشہ دیکھنے کو چلو گے؟

میں تو خود مشتاق تھا ہی۔ فوراً چلنے پر آمادہ ہو گیا۔
یہ ہیبت ناک بلا مجھے بھول نہیں گئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی
اسکی شاخوں میں حرکت پیدا ہونے لگی اور وہ میری طرف
لپکنے لگیں۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ اور شاخیں ہوا میں دست و گریباں
ہو کر رہ گئیں۔ نوکر ایک بچھڑے کو لئے ہوئے آگے بڑھا۔ جانور
خوف زدہ تھا۔ کیونکہ وہ خطرہ کو محسوس کر رہا تھا بچھڑا پیچھے ہٹ گیا

مگر نوکر نے اسے گلے سے پکڑ لیا۔ اور آگے کی طرف ڈھکیل دیا۔ درخت نے اسے پکڑ لیا۔ کیا دل خراش منظر تھا۔ ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز اس خاموشی میں صاف سنائی دیتی تھی۔ اس کے بعد ایک جاں فرسا چیخ نکلی۔ اور تنہ میں چھ فٹ کے فاصلے پر ایک سوراخ نمودار ہوا جس میں بچھڑا غائب ہوگیا۔ درخت کا منہ بند ہوگیا۔ اور تنہ اس طرح سے برابر ہوگیا۔ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

میں گھبرانے لگا پروفیسر مجھے تھامے ہوئے اندر لے گیا کمرہ کے ایک کونے میں ایک بہت بڑی بندوق رکھی ہوئی تھی۔ یہ ہاتھی بندوق کہلاتی ہے۔

میں نے پروفیسر صاحب سے پوچھا۔ کیا آپ ہاتھی کا شکار کیا کرتے ہیں۔

پروفیسر نے کہا نہیں بلکہ یہ نوکر نے لا رکھی ہے۔ اسے ہر وقت یہ فکر لگی رہتی ہے کہ اگر درخت حکم ماننے سے انکار کردے تو اسے گولی سے ہلاک کرنا پڑے گا لیکن وہ نہیں جانتا کہ میں تمام عمر کی کمائی کو خود ہی کیسے ہلاک کرسکتا ہوں۔ ہم دوسرے دن پھر تماشہ دیکھنے گئے۔ آج ایک بکری تھی جو خوف سے چلا رہی تھی

غریب جانور خوف سے لڑکھڑا رہا تھا اور موت کا منتظر معلوم ہوتا تھا۔ درخت کی شاخیں نکلیں اور سانپ کی طرح رینگتی اور بل کھاتی ہوئی چلیں لیکن بھیڑ کی طرف نہیں۔ بلکہ پروفیسر کارٹر کی طرف پروفیسر اس فوری حملہ سے خوف زدہ ہو گیا۔

مگر شاخیں اور زیادہ مضبوطی سے پروفیسر صاحب کو لپٹ گئیں۔ چہرہ پر مردنی چھاگئی۔ میں جلدی سے آگے کی طرف چھپٹا اور اسے پیچھے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ چند شاخیں ایک لمحہ کے لئے ڈھیلی پڑ گئیں مگر دوسرے لمحہ میں ہم دونوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ہم نے رہائی حاصل کرنے کی بے سود کوشش کی۔

نوکر شور و غل کرتا ہوا ادھر اُدھر دوڑنے لگا۔

درخت ہم سے اس طرح کھیل رہا تھا جس طرح سے بلی چوہے سے کھیلتی ہے اور باوجود ہر قسم کی جد وجہد کے ہم نے محسوس کر لیا کہ ہم آہستہ آہستہ درخت کی طرف جا رہے ہیں پروفیسر کا چہرہ سبزی مائل ہو رہا تھا میں نے اپنا آزاد ہاتھ نکالا اور ہمارے ہاتھ مل گئے۔ اور ہم دونوں مرنے کے لئے تیار ہو گئے اس کے بعد ہم نے قریب ہی بندوق کی آواز سنی۔ شاخوں میں ایک

اضطرابی جھٹکا پیدا ہوا۔ جس سے ہم بیس فٹ کے فاصلہ پر جا گرے ہم لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے۔ دیکھا تو نوکر پاس کھڑا تھا۔ ہاتھی بندوق ہاتھ میں تھی۔ جس میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ درخت کے تنہ میں ایک بہت بڑا سوراخ ہو چکا تھا جس سے خون کی ایک ندی بہہ نکلی تھی درخت اس وقت سکرات موت میں مبتلا تھا۔ اس سے اس قسم کی آواز آئی جیسے جانور ذبح ہونے کے وقت نکالا کرتے ہیں۔ آخر اسکی تگ و دو ختم ہو گئی اور چند جھٹکوں پر درخت ٹھنڈا ہو گیا۔ پروفیسر نے رنج و اضطراب کی حالت میں اپنے چہرہ کو دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا آنسو اسکی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ میں ایسوبل کو ایک طرف لے گیا۔ کیونکہ پروفیسر کو تنہائی کی ضرورت تھی سب نے ملکر کہا واقعہ تو بڑا عجیب و غریب ہے۔ لیکن ہمارے ڈاکٹر صاحب پر نہ معلوم اس کا کیا اثر ہوا۔ ہاں ڈاکٹر صاحب فرمائیے اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

ڈاکٹر ار برٹ نے اب زیادہ بحث و تمحیص فضول سمجھی کیونکہ عقائد باطلہ کے ہجوم میں حقائق گم ہو کے رہ گئے تھے صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا کہ حضرات جو قصص و

واقعات آپ نے بیان کئے ہیں وہ کسی دعویٰ حقیقت کے لئے ثبوت نہیں بن سکتے یہ سب نتائج ہیں ان تخیلات وتوہمات اور عقائد باطلہ کے جو وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

مجسٹریٹ صاحب نے یہ شعر پڑھتے ہوئے مجلس برخاست کی:
پئے مشورت مجلس آراستند ؛ نشستند و گفتند و برخاستند
بیچارہ جیکمن نے قید کی زندگی ہی کو ترجیح دی۔
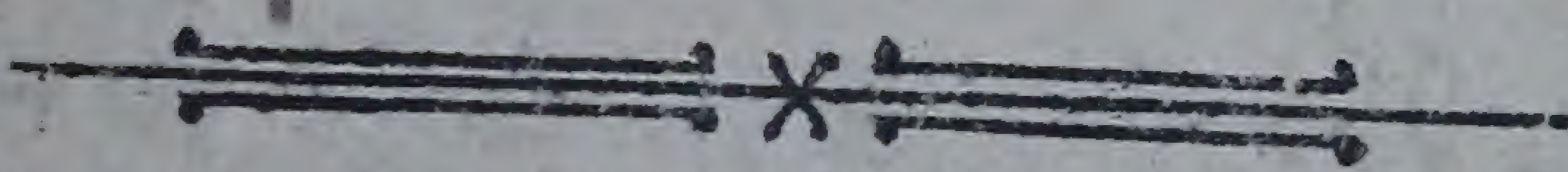
میری عینک

اکثر لوگ اس خیال کا مضحکہ اُڑانے کے خوگر ہیں۔ کہ عشق پہلی ہی نظر میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور حسن کی اولین تجلی ہی دل کا کام تمام کر جاتی ہے۔ لیکن محبت والے جن کے قلب پر یہ واردات گذر چکی ہے۔ خوب جانتے ہیں۔ کہ محض استہزا سے کوئی حقیقت باطل نہیں ہو سکتی۔ علم النفس کا جو شعبہ جذبات کی مقناطیسی قوتوں سے بحث کرتا ہے۔ اُس کا تازہ ترین انکشاف بھی یہی گواہی دے رہا ہے۔ کہ انسان کے دل کے شدید ترین جذبات وہی ہیں۔ جو بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ یک بیک کرشمہ ریزی کرنے لگتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ لذیذ اور مدید درد وہی ہے جو جگر میں نگاہ کی پہلی ہی چوٹ سے اٹھا ہو۔ اپنی جو سرگذشت میں حوالۂ قلم کرنے لگا ہوں۔ وہ بہرے اس دعوے کی شاہد ہے۔

میری داستان کی تمہید کسی قدر جزئی تفصیل کی مقتضی ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ مجھے آگے چل کر کہنا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے اُن جزئیات کا ذہن نشین رکھنا لازمی ہے میں ابھی شباب کی بہت ہی ابتدائی منزل میں ہوں۔ میرا سن اکیس سال سے کچھ ہی اوپر ہوگا۔ میرا نام آجکل سمپسن ہے۔ آج کل میں نے اس لئے کہا۔ کہ یہ خاندانی نام مجھے قانونی طور پر حال ہی میں اختیار کرنا پڑا ہے۔ میرے ایک دور کے رشتہ دار مسٹر الفس سمپسن تھے۔ جن کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ بہت سا زر و مال چھوڑ کر مر گئے۔ اور مجھے اپنا وارث بناتے گئے۔ لیکن شرط یہ تھی کہ میں اُن کا نام اختیار کر لوں۔

میرا مسیحی نام نپولین بونا پارٹ ہے۔

غرض میں نے سمپسن کا عامیانہ نام کسی قدر تامل کے بعد اختیار کر لیا۔ اور اپنا اصلی خاندانی نام فرد سار جو عالی نسبی کی وجیہانہ روایات کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے میرے لئے مایہ ہو قار و نازش تھا چھوڑ دیا۔ نثر کرہ اسماء کے اس سلسلہ میں میں اپنے بعض قریبی اسلاف کے نام بھی بتلانا چاہتا ہوں۔ جن میں اتفاق سے ایک عجیب صوتی مناسبت پائی جاتی ہے۔ میرے باپ موسیو فرد سار پیرس کے رہنے والے تھے اُن کی بی بی یعنی میری والدہ جو پندرہ سال کی تھیں۔ جب میرے والد کے ساتھ اُن کا عقد ہوا مسز کرد سار کے نام سے موسوم تھیں۔ اور اُن کے والد موسیو کرد سار ایک بہت بڑے مہاجن تھے میرے تمام سلسلہ کے خسر کا نام ڈکرڈ سار تھا جب میری نانی کے ساتھ

جو اپنے باپ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں ۔ میرے نانا کا نکاح ہوا ۔ تو نانی جان کا سن صرف سولہ سال کا تھا ۔ یہ عجیب اتفاق ہے ۔ کہ میرے بزرگ جس خاتون کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے ۔ وہ بھی اُن کی ہم قافیہ تھیں ۔ اور اُن کا نام مس موسار تھا ۔ مس موسار اپنی والدہ میڈم موسار کی طرح چودہ سال کی عمر میں بیاہی گئیں ۔ فرانس میں یہ کم سنی کی شادیاں عام طور پر مروج ہیں غرض موسار ۔ دوسار ۔ کروسار اور فروسار میرے مقفیٰ اسلاف تھے ۔ قافیہ پیمائی کا یہ سلسلہ جو میرے نام پر منتج ہوتا تھا ۔ مسٹر اڈالفس ہیمن کے وصیت نامہ نے توڑ دیا ۔ اور میں بادل ناخواستہ فیروسار سے سپسن ہو گیا ۔

قدرت کے ظاہری محاسن سے مجھے بہرہ وافی ملا ہے ۔ صانع اعظم نے مجھے وجیہ شکیل بنایا ہے ۔ میرا قد پانچ فٹ گیارہ انچ ہے ۔ میرے بال کالے سیاہ ۔ اور گھونگھریالے ہیں ۔ میری ناک ستواں ہے ۔ میری آنکھیں بڑی بڑی مگر نگاہ کمزور ہے ۔ اور دور کے فاصلہ کی چیز بخوبی شناخت نہیں کر سکتی ۔ لیکن دیکھنے والوں کو میری آنکھوں میں یہ نقص نظر نہیں آتا ۔ بینائی کے اس ضعف نے مجھے ہمیشہ بہت ہی پریشان کیا ہے ۔ اور کوئی ایسا علاج نہیں ۔ جو میں نے نہ کیا ہو ۔ البتہ عینک نہیں لگائی ۔ اس شخص کے لئے جس کا اُٹھتا ہوا شباب ہو ۔ اور حسین و جمیل بھی ہو ۔ عینک کے استعمال سے زیادہ اور کوئی چیز مکروہ نہیں ہو سکتی ۔ ایک تو اس کے لگانے سے چہرہ پر فلسفیانہ متانت

برسنے لگتی ہے۔ جس سے مجھے چڑ ہے۔ دوسرے اس سے عمر زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اور ریاکاری اور تصنع کا رنگ بھی جھلکنے لگتا ہے۔ اسی لئے میں نے آج تک چشمہ کا استعمال نہیں کیا۔ لیکن میں ان ظاہری جزئیات کا سلسلہ بہت دراز کر رہا ہوں۔ اپنی ذات کے متعلق مجھے صرف اس قدر اور کہنا ہے۔ کہ میں بہت ہی رنگین مزاج واقع ہوا ہوں۔ بے سوچے سمجھے ہر بات کر گذرتا ہوں۔ طبیعت میں جوش اور وارفتگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور عمر بھر جنس لطیف کے ساتھ مجھے ایک خاص دل بستگی رہی ہے۔

پچھلے سال موسم زمستان میں ایک رات میں اپنے دوست مسٹر ٹالبٹ کے ہمراہ تھیٹر دیکھنے گیا۔ تماشہ نہایت دلفریب تھا۔ اور بہت سی نئی نئی زہرہ جبین ناچنے والیاں اس رات اسٹیج پر جلوہ گر ہونے والی تھیں۔ اسی لئے تمام شہر ہمہ تن شوق ہو کر ٹوٹ پڑا تھا۔ اور تماشہ گاہ میں تل رکھنے کو جگہ باقی نہ رہی تھی۔ لیکن ہم نے صف اول میں اپنے لئے پہلے سے دو نشستیں محفوظ کرا رکھی تھیں۔ ہم بھیڑ کو کہنیوں سے چیرتے ہوئے بڑھے۔ اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے دو گھنٹہ تک میرا دوست جو رقص و سرود کا رسیا تھا اسٹیج پر ٹکٹکی جمائے بیٹھا رہا۔ اور اس عرصہ میں مجھ سے بات تک نہ کی۔ میں نے ہزار کوشش کی کہ کسی طرح اس کو اپنی طرف مخاطب کر دوں لیکن اسکی محویت میں خلل نہ ڈال سکا۔ میری ہرجائی نگاہیں اس عرصہ میں تماشائیوں کا

بھی سرسری جائزہ لیتی جاتی تھیں۔ شہر کے ادب نچے طبقے کے سبھی ہر دو زن تماشاگاہ میں موجود تھے۔ اس چھچھلتے ہوئے نظارہ سے فارغ ہو کر میں ایک نئی رقاصہ کی طرف متوجہ ہونے ہی لگا تھا۔ جو ابھی ابھی اسٹیج پر نمودار ہوئی تھی۔ کہ یک بیک میری نگاہ ایک شکیل نازنین پر پڑی۔ جو درجہ خاص کی ایک نشستگاہ میں جلوہ ریز تھی۔

اگر میں ہزار سال کی بھی عمر پاؤں۔ تو اس برقی رو کی کیفیت میری یاد سے محو نہیں ہو سکتی۔ جو اس شکل نے میری تمام ہستی میں دوڑا دی۔ یہ شکل ایک عورت کی تھی۔ جس کی دلفریب رعنائی دنیا میں اپنا جواب آپ تھی۔ اس پری پیکر کا چہرہ تو مجھے چند منٹ تک نظر نہ آسکا۔ اس لئے کہ وہ اسٹیج کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن اس کی رعنائی اندام میں مجھے شان یزدانی نظر آگئی۔ خدا کی شان ہی سے اس کے حسن بے مثال کو تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ اگرچہ یہ تشبیہ پھر بھی ناقص و ناتمام رہ جاتی ہے۔

عورت کے حسن کا جادو جنس لطیف کی ناز آفرینیوں کا سحر ایک ایسی قوت ہے۔ جس کا مقابلہ میرے ناتوان دل کے لئے ہمیشہ سے محال تھا۔ لیکن یہاں تو جمال مطلق کے زندہ کرشموں کا ایک محشرستان میرے صبر و سکون کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہا تھا۔ اس پری پیکر کا قد میانہ تھا جسم نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا تناسب کا تصور اس کے اعضا کی ایجاد معلوم ہوتی تھی۔ سر جس کا پچھلا حصہ ہی میری نظر کے سامنے تھا۔ زہرہ کی

یونانی لعبت کے گُندھے جوڑے کی یاد دلاتا تھا۔ ایک نازک خوشنما ٹوپی
اس کے عنبریں بالوں کی سرکشی کو دبا نہ سکی تھی۔ اس کا دہنا بازو جسے
نفس نگاہ کا کٹہرا سہارا دیے ہوئے تھا۔ اپنی دل ربا موزونی سے میری
رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں بجلی دوڑا رہا تھا۔ بازو کا بالائی حصہ
آستین میں چھپا ہوا تھا۔ جو مروجہ وضع کے مطابق شانہ سے کہنی تک
چڑھی ہوئی تھی۔ اس کے نیچے کسی نفیس کھلے کپڑے کی ایک اور چست
آستین تھی۔ جس کی کف ایک قیمتی جھالر سے مزین ہو کر کلائی سے
گذرتی ہوئی دستِ سیمیں کو شاید میری گستاخ نگاہوں سے چھپا
رہی تھی۔ اور مجھے صرف نرم و نازک انگلیاں دکھائی دے رہی
تھیں۔ جن میں سے ایک پر الماس کی ایک بیش بہا انگوٹھی جگمگ
جگمگ کر رہی تھی۔ کلائی کی جان نواز گولائی پہ ایک مرصع جوڑی بہار
دے رہی تھی جس کے قیمتی نگینوں کی ترصیع پہننے والوں کی دولت
اور سلیقہ کا کھلا ہوا ثبوت تھی

میں اس قتالۂ آفاق پری کو بے خودی کے عالم میں نصف ساعت
تک بُت بنا ہوا دیکھتا رہا۔ اور مجھ پر اس عرصہ میں یک بیک یہ حقیقت
منکشف ہو گئی۔ کہ ایک ہی نگاہ میرے دل کا فیصلہ کر چکی ہے۔
اور میں اس نازنین کے عشق میں دیوانہ وار مبتلا ہوں۔ میرے دل کی
اس وقت جو حالت ہوئی۔ شیشہ سے حسین عورت کو دیکھ کر اس سے
پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ ایک مقناطیسی روحانی کشش تھی جس نے صرف

میری نگاہ کو بلکہ میری تمام قوتِ احساس و ادراک کو اس کی طرف کھینچ کر لے گئی تھی۔ اور اگرچہ میں نے ابھی تک اپنی معشوقہ کی صورت بھی نہ دیکھی تھی۔ صرف اس کی رعنائی قامت کا دیوانہ تھا۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ کہ اگر وہ مڑ کر دیکھتی۔ اور اس کا چہرہ میری توقعات کے خلاف معمولی قسم کا بھی ہوتا۔ پھر بھی وہ معجزانہ عشق جس میں میں مبتلا ہو چکا تھا۔ ذرا بھی کم نہ ہوتا۔ جو سچا عشق پہلی نگاہ میں پیدا ہو۔ وہ ظاہری اعتبارات کا پابند نہیں ہوا کرتا۔

اپنی نادیدہ معشوقہ کی دلربائیوں کے تصور میں ڈوبا ہوا میں اپنی نئی عاشقانہ زندگی کی ابتدائی کیفیتوں کے مزے لوٹ رہا تھا۔ کہ دفعتہً تماشائیوں میں غلغلہ بلند ہوا۔ جس نے اس دل آرام کا رخ کسی قدر میری طرف پھیر دیا۔ اس تصویر کا جو ایک رُخ مجھے نظر آیا۔ میری توقعات سے بڑھ کر تھا۔ وہ حقیقت میں ویسی ہی تھی۔ جیسا میرا دل اسے سمجھا تھا۔ پھر بھی اس یک رخہ نظارہ نے مجھے کسی قدر مایوس ضرور کیا۔ اگرچہ میں نہ بتا سکتا تھا۔ کہ مایوسی کی وجہ کیا ہے۔ لیکن یہ بھی غلط ہے کہ میرے دل میں اپنی معشوقہ کا آدھا چہرہ دیکھ کر مایوسی کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کیفیت کی نوعیت کچھ اور ہی تھی۔ جسے یوں ادا کیا جا سکتا ہے۔ کہ میرے جذبات کا ہیجان فرد ہو گیا۔ اور اس کے ستی خیز تلاطم نے موجِ دریا کے خاموش بہاؤ کی شکل اختیار کر لی مستقل جان میں شرارِ محبت دب گئی تھی لیکن راکھ میں دبا ہوا شرار جستہ نہ تھا شاید اس کی کیفیت کی نم سے ہو۔ کہ تشنگی

کی لطافت کے بجائے مجھے اپنی محبوبہ کے چہرے پر کسی بیاہی ہوئی خاتون کا زیادہ نکھرا ہوا حسن کرشمہ سنج نظر آیا تھا لیکن یہ وجہ بھی کافی شافی نہ تھی۔ میرے دل میں جو بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ اس کا کوئی اور ہی پُر اسرار سبب تھا۔ جس کو عجیب نہیں کہ میری محبوبہ کے چہرے کی کسی خاص کیفیت سے کوئی تعلق ہو۔ غرض اس وقت میرے دل کی ایسی حالت ہو رہی تھی۔ کہ میں جو کچھ بھی نہ کر گذرتا تھوڑا تھا۔ اگر وہ نازنین اکیلی ہوتی۔ تو میں یقیناً اٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھتا۔ اور جس طرح بھی پڑتا۔ اس سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوئی شکل نکالتا۔ لیکن میری شومیٔ قسمت یا یوں کہو کہ خوبیٔ قسمت سے اس کے ساتھ دو رفیق موجود تھے۔ ایک تو ادھیڑ عمر کا ایک جنٹلمین تھا۔ اور دوسری ایک نہایت ہی حسین عورت تھی۔ جو اس سے چند سال چھوٹی تھی۔

میں بیٹھا ہزاروں ہی منصوبے باندھ رہا تھا۔ کہ مری خاتون سے تعارف کی اگلے چل کر کسی طرح کوئی راہ نکالوں۔ یا سر دست کسی حیلہ سے اس کو نظر بھر کر ہی دیکھ سکوں میں اپنی جگہ سے اٹھ کر خود اس کے قریب جا بیٹھتا لیکن تھیٹر تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس لئے یہ تدبیر بھی ممکن نہ تھی۔ تھیٹر میں کسی لیڈی کو دوربین سے گھورنا چند دنوں سے نہایت معیوب سمجھا جانے لگا تھا۔ میں اس بات کی بھی پروا نہ کرتا۔ کہ لوگوں کی آنکھیں مجھ پر اٹھیں گی اور نکوبنوں گا لیکن میرے پاس دوربین رہی نہ تھی

اس کشمکش میں مجھے اپنے دوست سے مدد لینے کا خیال آیا۔
اور میں نے اس سے کہا کہ ٹالبٹ ذرا اپنی دوربین تو مجھے دینا۔
ٹالبٹ تماشا دیکھنے میں محو تھا۔ میرا بات کرنا اُسے بہت ہی گراں گذرا
اُکھڑے اُکھڑے لہجے میں کہنے لگا۔ کہ میرے پاس دوربین کہاں۔ اور
یہاں دوربین کا کام ہی کیا ہے۔ یہ کہہ کر اس کی نگاہیں پھر اسٹیج پر
جم گئیں۔
میں نے بے صبری سے ٹالبٹ کا شانہ جھنجھوڑ کر۔ تم تو اس وقت مجھ سے
اسی طرح پیش آرہے ہو۔ جیسے تمہاری مجھ سے جان پہچان ہی نہیں۔
ذرا میری طرف متوجہ ہو کر میری باتوں کا جواب دو۔ وہ نشست گاہ
تم نے نہیں دیکھی؟ نہیں وہ نہیں اس کے برابر والی۔ اس میں
جو حسینہ بیٹھی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ صاحب جمال نازنین کبھی تمہارے
دیکھنے میں آئی؟
ٹالبٹ۔ ہاں ہے تو بہت ہی خوبصورت۔
میں۔ بھلا وہ ہے کون۔
ٹالبٹ۔ کیا تم جیسے حسن پرست کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ وہ
کون ہے اس کو تو شہر کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ اس کا نام میڈ لالانڈ ہے۔
حسن و جمال میں نظیر نہیں رکھتی۔ ابھی حال ہی میں بیوہ ہوئی ہے۔
اور بے انتہا دولت مند ہے۔ سارا شہر اس کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے
اور وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہوگا جو حسن اور دولت کی اس دیوی کو

اپنی بیاہتا بیوی بنا سکے پیرس سے آئے ہوئے اسے دو ہی چار دن گذرے ہیں۔

میں۔ کیا تم اسے جانتے ہو؟

ٹالبٹ۔ ہاں مجھے اس سے ملاقات کی عزت حاصل ہو چکی ہے۔

میں۔ تو پھر میری معرفی کرا دو۔

ٹالبٹ۔ بڑی خوشی سے۔ کب ملنا چاہتے ہو؟

میں۔ کل ہی دن کے ایک بجے میں تمہارے مکان پر آجاؤں گا۔

ٹالبٹ۔ بہت اچھا لیکن اب از برائے خدا خاموش رہو۔ اور مجھے تماشہ دیکھنے دو۔ تم پہلے ہی میرا مغز بہت چاٹ چکے ہو۔

یہ کہہ کر ٹالبٹ پھر اسٹیج کی چاک گر بیان کا بخیہ بن گیا۔ جو میری ہزار کوششوں سے بھی اُدھڑ نہ سکا۔ اور مجھے مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔ میری نگاہیں برابر میڈم للاند پر گڑی ہوئی تھیں۔ آخر خدا خدا کر کے مجھے اس کا پورا چہرہ نظر آیا میرے دل کی گواہی غلط نہ تھی۔ حقیقت میں یہ وہ سنے دلارام نازنین کی تصویر تھا پھر بھی کوئی بات جو میرے فہم و ادراک کی حد سے باہر تھی۔ اس چہرے میں ضرور تھی۔ جو دوبارہ کر میرے خلجان کا باعث ہوتی تھی۔ آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ ہو نہ ہو تمکنت کے ایک انداز خاص یا اندوہگینی کی ایک ادائے مخصوص نے میڈم للاند۔ کے شباب کی تازگی کو کچھ یوں ہی سا کم کر دیا ہے لیکن میری سحر زدہ نظروں میں یہ ایک نئی شان ملائکہ سی تھی۔ جس نے میرے والہانہ شوق کو

دس حصہ اور بڑھا دیا۔

میری جاذبہ بین آنکھیں اس بہارستان حسن کی گل گشت میں مصروف ہی تھیں۔ کہ یکایک مجھے میڈم للاند کے جسم کی ایک جنبش اضطراری سے ایسا محسوس ہوا۔ کہ میری نظر بازی اس سے پوشیدہ نہیں رہی۔ اور وہ مجھے ایسا معلوم ہوا۔ کہ گویا میں جادو کے دوڑں میں پٹیا جا رہا ہوں۔ مجھے نگاہ نیچی کر لینی چاہیئے تھی۔ لیکن مجھ پر اس وقت بے خودی کا ایک عالم طاری تھا۔ میں برابر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا۔ اور اس کو منہ پھیر لینا پڑا۔ چند منٹ کے بعد اس انداز سے کہ گویا وہ یہ دریافت کرنا چاہتی ہے کہ میں ابھی تک محو نظارہ ہوں یا نہیں اس نے مڑ کر دیکھا۔ اور پھر آنکھیں چار ہو گئیں۔ اس کی سیاہ رسیلی آنکھیں معاً نیچی ہو گئیں۔ اور حیا کی سرخی اس کے عارض دل فریب پر دوڑ گئی۔ لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کہ اس نے اس مرتبہ نہ صرف یہ کہ میری طرف سے اپنا منہ ہی نہیں پھیرا۔ بلکہ اپنی کمر کے ایک مرصع پٹکے سے ایک عینک لے کر آنکھ پر لگائی۔ اور اپنی نگاہ مجھ پر جما دی۔ اور کئی منٹ تک مجھے دیکھتی رہی۔

اگر کڑکتی بجلی کا ایک ٹکڑا میرے قدموں پر آسمان سے گر پڑتا۔ تو میں اس قدر ششدر و مبہوت نہ ہوتا۔ جس قدر میڈم للاند کے اس فعل سے ہوا۔ لیکن میں ششدر و مبہوت ہی ہوا۔ کبیدہ خاطر یا منغض نہیں ہوا۔

حالانکہ اگر دوسری کوئی عورت ایسا بے باکانہ طرزِ عمل اختیار کرتی تو
مجھے ضرور گھن آنے لگتی۔ لیکن میری معشوقہ نے ایسی دلجمعی ایسے
وقار اور ایسے تمکنت سے مجھے تاکا تھا۔ کہ اُس میں حیا کے شوخ
چشمانہ فقدان کا ایک شائبہ بھی نہ پایا جاتا تھا۔ اور اس لئے بن تحیر تو ہوا!
لیکن یہ میرے تحیر میرے سمندِ شوق کے لئے ایک نئی ضمیر بن گیا۔
عینک لگا کر جب اس نے پہلی نگاہ میرے سراپا پر ڈالی۔ تو ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ اس امتحان میں میں پورا اترا ہوں۔ اور میری شکل صورت
اُسے پسند آگئی ہے اس فوری معائنہ سے مطمئن ہو کر وہ عینک اُتارنے
ہی لگی تھی کہ کسی اور خیال کے دل میں گذر لے پر اُس نے پھر عینک اچھی
طرح آنکھ پر جمائی۔ اور غیر معمولی توجہ سے مجھے از سر نو جانچنا شروع کیا۔
مجھے یقین ہے کہ کم از کم پانچ منٹ تک وہ مجھے یوں دیکھتی رہی ہو گی۔
امریکہ کے ایک تھیٹر میں کسی عورت کا کسی مرد کو اس دیدہ دلیری سے
گھورنا ایسا غیر معمولی واقعہ تھا۔ کہ لوگوں کی نگاہیں بے اختیار ہم پر پڑنے لگیں
اور ان میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ مجھ پر یکایک گھڑوں پانی پڑ گیا۔
لیکن میڈم للاندیر مطلق کوئی اثر نہیں ہوا۔
مجھ کو اچھی طرح دیکھ چکنے کے بعد اس نے عینک اُتار دی۔
اور تماشہ دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ اب پھر پہلے کی طرح اس کے چہرے
کا ایک رخ ہی میرے سامنے تھا۔ میں برابر اس پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔
اگرچہ اپنی اس گستاخانہ بدتمیزی کا مجھے پورا احساس تھا۔ کچھ دیر نہ گذرنے پائی تھی!

کہ اس نے اپنا رُخ کسی قدر بدلا۔ اور مجھے بہت جلد اس بات کا یقین ہو گیا۔ کہ اگرچہ وہ بظاہر اسٹیج کی طرف متوجہ ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کی توجہات کا مقصود میں ہوں۔ اور کن آنکھوں سے مجھے دیکھتی جاتی ہے۔ ایسی دل فریب عورت کے گوشہ چشم التفات کا میری جیسی جوشیلی طبیعت والے نوجوان پر جو اثر ہو سکتا تھا۔ اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ کوئی پاؤ گھنٹہ تک اپنی دز دیدہ نگاہی سے مجھے بیقرار کرتے رہنے کے بعد میری معشوقہ اس جنٹلمین سے مخاطب ہوئی۔ جو اس کے ساتھ تھا۔ اور جب وہ اس سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ تو دونوں کی نگاہوں کی سمت نے مجھے بتا دیا۔ کہ اس گفتگو کا موضوع خود میں ہی ہوں۔

گفتگو کے خاتمہ پر میڈم للاند پھر اسٹیج کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اور چند منٹ تک محو تماشہ رہی لیکن میرے اضطراب و استعجاب کا آج رات رہ رہ کر نیئے انداز سے امتحان ہونا تھا۔ اس نے پلٹ کر دوسری دفعہ عینک لگائی۔ اور اس خفیف سی ہل چل کو مطلق خاطر میں نہ لا کر جو تماشائیوں میں اس کی انوکھی شوخی سے دوبارہ پڑ گئی تھی۔ مجھے سر سے لے کر پاؤں تک معجزانہ اطمینان سے دیکھنا شروع کیا۔ جس نے میری روح کو پریشان کن لذتوں کا بازیچہ بنا رکھا تھا۔

اس حیرت خیز طرز عمل نے میرے جوش محبت کو ہزار حصہ زیادہ بڑھا دیا عشق کا ایک بھنور تھا۔ جس میں میں چکر کھا رہا تھا۔ مجنونانہ بیتابی کی ایک آندھی تھی جو مجھے اُڑائے لئے جاتی تھی۔ اس وقت میں دنیا و

ما فیہا سے بالکل بے خبر تھا۔ میرے لئے کائنات میں اگر کوئی شے موجود تھی۔ تو یہ سراپا ناز حسینہ تھی۔ جو میری تمام ہستی پر چھائی ہوئی تھی جب میں نے دیکھا۔ کہ سب لوگ تماشہ دیکھنے میں مشغول ہیں۔ کوئی میری طرف نہیں دیکھ رہا ہے صرف میڈم للاند کی نگاہیں ہیں جو میری نگاہوں سے لڑ رہی ہیں۔ تو میں نے موقع پاتے ہی سر سے اُسے ایک محبت بھرا اشارہ کیا۔ جس کا مفہوم ناممکن تھا۔ کہ وہ نہ سمجھے۔

اس کے عارض گلگوں کو غازۂ انفعال نے اور بھی زیادہ سرخ کر دیا۔ اس نے نگاہیں پھیر لیں۔ اور پھر وہ سمٹ کر چاروں طرف دیکھا۔ کہ کسی کو اس بے باکانہ اشارے کی خبر تو نہیں ہوئی۔ اور جب اس طرف سے اسے اطمینان ہو گیا۔ تو اس جنٹلمین کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جو اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

اب میں اپنی بیہودہ حرکت پر بہت ہی نادم ہوا۔ جو نامعقول فعل مجھ سے سرزد ہوا تھا اس کا کوئی نتیجہ بجز اس کے نہ ہو سکتا تھا۔ کہ افشائے راز پر دوسرے ہی دن پستول کی مہیب نالی ہو۔ اور چاند ماری کے لئے میرا سینہ ہو۔ لیکن جب میں نے دیکھا۔ کہ میڈم للاند نے اپنے ساتھ والے جنٹلمین سے بات چیت کے بغیر ناٹک کا ایک اشتہار ہی اسے دیکھنے کے لئے دیا ہے تو میرا خدشہ جاتا رہا۔ میں نے اطمینان کی ٹھنڈی سانس لی ہی تھی۔ کہ ایک نئی برق جہندہ میرے قلب پر گری یعنی میڈم للاند یک بیک اپنی رسیلی آنکھیں مجھ پر جما کر پہلے تو مسکرائی۔ اور اپنے دُرِ دنداں کی چمک سے مجھے تڑپا گئی۔ پھر سر سے دو جان فزا اشارے کئے۔ جنہوں نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔

زبان میں یہ قدرت نہیں قلم میں یہ طاقت نہیں۔ کہ جن خیالات کا میرے دماغ میں اس وقت ہجوم تھا۔ ان کی اصیح صحیح کیفیت بیان کر سکے۔ وفور مسرت سے اگر آدمی دیوانہ ہو سکتا ہے۔ تو یقیناً میرے دیوانہ پن کی شان نئی نیا جہاں سے نرالی تھی۔ یہ میرا پہلا عشق تھا۔ اور میرا دل دماغ۔ روح جسم سب اس کی نذر ہو چکا تھا۔ اور عشق بھی وہ تھا جو نگاہ اولین کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اور وہ ہزار جان سے مجھ پر نثار ہو چکی تھی۔ جس طرح مجھے جوش محبت میں پاس ننگ و ناموس نہ رہا تھا اسی طرح اس نے بھی میرے عشق میں ہر احتیاط کو جس کی نسوانی پاس وضع متقاضی ہوا کرتی ہے۔ بالائے طاق رکھدیا تھا۔ اپنے مرتبہ کا خیال۔ اپنے نام نیک کا پاس اپنے دشمنوں کے طعنہ کا خوف کوئی بات بھی اسے بے اختیارانہ میری طرف کھینچ آنے سے روک نہ سکتی تھی۔

ان جانفزا تصورات کا سلسلہ پردہ کے گرنے سے یک بیک منقطع ہو گیا۔ تماشہ ختم ہوتے ہی تماشائی اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لئے اُٹھے۔ اور اسی طرح ہنگامہ نے جو اس موقعہ پر عموماً بپا کرتی ہے۔ تھیٹر کو سر پر اُٹھا لیا۔ ٹائیٹ تو جیتی رہا غائب ہو گیا۔ اور میں نے دھکا پیلی کرنی شروع کی۔ کہ کسی طرح میڈم للانڈ کے قریب پہنچ جاؤں۔ لیکن لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا۔ کہ مجھے اس کوشش میں مطلق کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مایوس ہو کر میں نے گھر کا راستہ لیا۔ اور یہ سوچ کر دل با شاد کو تسلی دے لی۔ کہ اگر میں اس آرام جان کے دامن کے گوشہ کو اس وقت بوسہ نہیں دے سکا۔

تو ٹالبٹ کی وساطت سے کل اس کے دست سیمین کو چھو سکوں گا۔

خدا خدا کرکے اس کل ہنے بھی دریچہ خاور سے سر باہر نکالا۔ بجورات بھر مجھ سے تارے گنوا تا رہا تھا۔ اور بھی ایک بجے تک اپنے ہر لمحے کی صبر آزما سست رفتاری ہی رہی تھی۔ کہ میں نے اپنے دوست کے مکان کے دروازہ پر پہنچ کر دربان سے کہا۔ کہ صاحب خانہ کو میری اطلاع کرے۔

دربان۔ وہ تو مکان میں تشریف نہیں رکھتے باہر گئے ہوئے ہیں۔

میں۔ (اس خلاف توقع اطلاع سے مبہوت و سراسیمہ ہو کر لیکن ساتھ ہی یہ سمجھ کر کہ دربان مجھے ٹالنا چاہتا ہے) یہ چکمے کسی اور کو دینا میں ان دم جھانسوں میں آنے والا نہیں۔ مسٹر ٹالبٹ ہرگز باہر نہیں گئے۔ اور نہ جا سکتے تھے وہ اندر موجود ہیں۔ اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً ان سے جا کر کہہ دو۔ کہ ان کے کہنے کے موجب میں ان سے ملنے آیا ہوں۔

دربان۔ حضور ناحق گرم ہوتے ہیں۔ مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ میاں ناشتہ کرتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں چلے گئے۔ اور کہتے گئے کہ ایک ہفتہ تک باہر رہیں گے۔

اس خبر نے مجھ پر ایک بجلی سی گرادی۔ غصہ اور غم کا ایک طوفان میرے دل میں اُمنڈ آیا۔ زبان خشک ہو کر تالو سے جا لگی۔ اور میں نے ہزار چاہا۔ کہ منہ سے کوئی بات نکالوں لیکن گویائی نے کام نہ دیا۔ آخر فرط غضب سے لال پیلا ہو کر میں گھر کو پلٹا۔ اور دل ہی دل میں دنیا بھر کے ٹالبٹوں کو

ہزاروں لاکھوں صلواتیں سنا کر جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جھونکتا چلا۔

صاف ظاہر تھا۔ کہ میرا بے پروا دوست مجھ سے ملاقات کا وقت مقرر کر کے کل واقعہ کو یکمشت فراموش کر چکا تھا۔ اس کی فطرت سے یہ بات چنداں بعید بھی نہ تھی۔ اسے کبھی بھی اپنے قول و قرار کا پاس نہ ہوا تھا۔ اس کی اس بے اعتنایانہ فراموش کاری نے مجھے جس قدر بے چین اور بے تاب کیا۔ اس کا اندازہ میرا ہی دل کر سکتا ہے۔ لیکن اس مصیبت کا سر دست کوئی علاج نہ تھا۔

رستہ میں میری جان پہچان کا جو شخص مجھ سے ملا۔ اس سے میں نے میڈم للاند کے متعلق پرسش و جوئی۔ لیکن کسی نے کوئی شافی جواب نہ دیا۔ اس کے نام سے تو سب واقف تھے۔ اور وہ اکثر کی نظر سے بھی گذر چکی تھی۔ لیکن شہر میں تازہ وارد ہونے کے باعث کسی کو اس کی ملاقات کا موقع نہ ملا تھا۔ ایسی حالت میں اس سے میری معرفی بھلا کوئی کس طرح کرا سکتا ہے۔ میں پریشانی اور ناامیدی کی تصویر بنا ہوا انہیں ملاقاتیوں سے سر راہ باتیں کر رہا تھا۔ کہ وہ آفت جان حسن اتفاق سے خود سمت مقابل سے آتی ہوئی دکھائی دی۔

پہلا۔ یمین بخدا جس کا ذکر ہم کر رہے تھے۔ وہ دیکھو سامنے آرہی ہے۔
دوسرا۔ ایسی حسین عورت آج تک میرے دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔
تیسرا۔ آسمان سے کوئی فرشتہ زمین پر اترا ہے۔
[illegible]

آہستہ آہستہ گذرتی ہوئی ہمارے قریب پہنچی تھیٹر والی ملائک فریب نازنین جلوہ گر تھی۔ اور اس کے پہلو میں وہ شم سن خاتون بھی موجود تھی۔ جسے میں نے اس کے ہمراہ تماشہ میں دیکھا تھا۔

پہلا۔ دوسری کا حسن بھی بلا دیر پا ہے۔

دوسرا۔ سچ کہتے ہیں۔ یہ دوپہر تو ڈھلنے میں نہیں آئی۔ ابھی تک وہی نور کا عالم ہے لیکن بناؤ سنگار کے فن کو بھی آج کل کی مشاطگی نے اعجاز کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ پانچ سال ہوئے۔ میں نے اس خاتون کو پیرس میں دیکھا تھا۔ آج جو دیکھتا ہوں۔ تو اور ہی سج دھج ہے۔ کیوں سمپسن ابھی تک اس کا شمار حسینوں میں ہے یا نہیں!

میں۔ ابھی تک کی بھی ایک ہی کہی۔ وہ لاکھوں میں ایک ہے۔ اور کیوں نہ ہو رہی اس کے برابر والی خاتون۔ سو وہ اس کے آگے ایسی ہے۔ جیسے آفتاب کے سامنے شمع یا شمع کے مقابلے میں جگنو۔

دوسرا۔ قہ۔ قہ۔ قہ۔ کیا کہتے ہیں تمہاری نظر انتخاب کے۔ فردوس آر نہیں نہیں سمپسن تم اپنے زمانہ کے لال بجھکڑ ہو۔

باقی دونوں دوست بھی اس قہقہہ میں شریک ہو گئے۔ اور مجھے میری پسند پر مبارکباد دینے لگے۔ میں حیران تھا۔ کہ یہ کیوں ہنس رہے ہیں۔ اور کس لیے بے سر اندماق اُڑا رہے ہیں۔ آخر انہوں نے اپنی اپنی راہ لی اور ایک نے زیر لب ایک گیت گنگنانا شروع کیا۔ جس میں کسی پوپلے ضعیف الیٰ بڑھیا کے چہرے کی ہزاروں جھریوں میں غازے کے

بھرے جانے کا ذکر تھا۔ میں ان کی اس بے ہنگام دل لگی کا
خاک بھی مطلب نہ سمجھا۔ وہ رہ رہ کر متعجب ہوتا تھا۔ کہ ان مسخروں
کو ہو کیا گیا ہے۔ اس اثنا میں ایک واقعہ میرے لئے بہت
کچھ موجب تسکین ہوا تھا۔ اگرچہ یہ تسکین بھی میرے جذبۂ عشق کی
بھڑکتی آگ کے لئے ایندھن کا حکم رکھتی تھی۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ
جب میڈم للاند کی گاڑی ہمارے پاس سے گذری۔ تو اس نے
مجھ پر ایک ایسی نگاہ غلط انداز ڈالی جس نے مجھے صاف بتا دیا کہ
وہ مجھے بھولی نہیں۔ اور اس نگاہ ناز کے علاوہ اس کے
لعل لب نے مجھ پر تبسم کے وہ پھول برسائے۔ جن کی مہک نے
مجھے مست کر دیا۔

معروفی کی سر دست کوئی امید نہ تھی۔ ٹالبٹ میرا رسمی تعارف
میری معشوقہ سے کرا سکتا تھا۔ لیکن خدا ہی کو علم تھا۔ کہ وہ بھلا
مانس اپنے سفر سے کب واپس آئے گا۔ اب میں نے اپنی معشوقہ
کی جستجو میں شہر کے ہر گلی کوچہ کی خاک چھاننی شروع کی۔ کوئی ایسا
ہوٹل نہ تھا۔ جہاں جا کر میں نے اس کا پتہ نہ پوچھا ہو۔ تفریح و تفرج
کا کوئی ایسا مقام نہ تھا۔ جہاں میں اس امید میں نہ گیا ہوں کہ
شاید یہیں اس آفت جان سے مڈ بھیڑ ہو جائے۔ ٹالبٹ
کے مکان پر بھی اس کی واپسی کی خبر دریافت کرانا میرا معمول
ہو گیا تھا۔ لیکن اس کا بدبخت دربان ہمیشہ یہی جواب دیتا کہ

مجھے آپ سے باہر کر دیتا۔ کہ ابھی نہیں آئے اس لئے تابانہ تک دورہ میں دو ہفتے گذر چکے تھے۔ کہ ایک دن رات کے وقت اسی تھیٹر میں جہاں اول اول میں نے اُسے دیکھا تھا۔ یک بیک میری نظر اس پر پڑی اور میری جان میں جان آگئی۔ اس مرتبہ پھر ہماری نگاہیں لڑیں۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں اس کا منظور نظر ہوں۔

میرا عشق اب جنون کے درجہ کو پہنچ چکا تھا معاشرت کے رواجی تکلفات کا تقاضا تھا کہ جب تک کوئی تیسرا شخص بیچ میں پڑ کر میڈم للاند سے میری رسمی صاحب سلامت نہ کرا دے۔ میں خود اس سے ملنے میں پیش قدمی نہ کروں کہ ضابطۂ عمرانیات میں اس سے بڑھ کر معیوب فعل اور کوئی نہیں سمجھا جاتا لیکن میرا جنون رسمی زنجیروں کو توڑ چکا تھا۔ بس نے دو ٹوک فیصلہ کر لیا۔ کہ جو ہو سو ہو۔ ضرور اس سے رسم تعارف کے بغیر ہی ملوں گا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ میڈم للاند فرانس کی رہنے والی ہے۔ اور حال ہی میں پیرس سے آئی ہے کیا یہ ممکن نہ تھا کہ وہ دفعتہً اپنے وطن کو واپس چلی جائے۔ اور تالبٹ کی مراجعت کے پہلے ہی رخصت ہو کر ہمیشہ کے لئے میری نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ یہ خیال ایسا خوفناک تھا کہ میں کسی طرح اس کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ اسی لئے مکان کا پتہ دریافت کر کے دوسرے ہی دن علی الصبح ایک تفصیلی نامۂ شوق قلمبند کر کے ڈاک کے ذریعہ سے اس کے نام بھیجدیا جس میں نے اپنے دل کی تمام دکمال کیفیت

ظاہر کر دی تھی۔

میں نے اس خط میں غیر معمولی جرأت اور آزادی سے کام لے کر کچھ بھی چھپائے بغیر اپنی معشوقہ کو صاف لکھ دیا تھا۔ کہ میں اس پر ہزار جان سے نثار ہوں۔ اور الف ابجد سے لے کر تائے تمت تک اپنی طوفانی داستان الفت کے تمام مراتب اسے کہہ سنائے تھے کہ کس طرح تھیٹر میں اول اول میری نگاہ اس کے جمال عالم سوز پر پڑی۔ کس طرح ہماری آنکھیں چار ہوئیں۔ اور مجھے یقین ہو گیا۔ کہ الفت آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے۔ کس طرح میں دن رات اس کے خیال میں محو رہنے لگا۔ اور اس کی تلاش میں اس کی نگاہ ناز نے اس کے لعل لب کی گل افشانی کی مدد سے اس کے اندرونی جذبات کا راز مجھ پر آشکارا کر دیا۔ کس طرح گذشتہ شب اس کی تیسری نگاہ نے آخری بجلی میرے خرمن سکون پر گرائی اور کس طرح اس جان فرسا اندیشہ نے کہ مبادا رسمی تعارف کا موقعہ ملنے سے پہلے ہی وہ شہر سے چلی جائے مجھے اس بے باکانہ انداز میں حال دل کے اظہار پر مجبور کیا۔ اس جنون انگیز خط کے آخر میں جس کی سطر سطر اس قسم کی احمقانہ ازخود رفتگی کا مرقع تھی میں نے اپنی دنیوی حیثیت اور اپنے ثروت و تمول کا ذکر کر کے یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ اگر وہ میرے ناچیز دل کا یہ حقیر ہدیہ قبول کر کے مجھے اپنا رفیق زندگی بنا لے۔ تو دنیا میں مجھ سے بڑھ کر خوش نصیب اور کوئی شخص نہ ہو گا۔

خط لکھ کر میں نے حوالہ ڈاک کیا۔ اور ہم و رجا کے عالم میں جواب کا انتظار کرنے لگا۔ آخر فیصلہ کے جس کے ایک ایک گھڑی ایک ایک صدی سے کم نہ تھی جواب آیا۔

ہاں حقیقت میں میرے خط کا جواب آگیا۔ یہ کوئی نظر فریب خواب نہیں تھا جو میں سوتے میں دیکھ رہا تھا۔ بلکہ عالم محسوسات کی ایک [illegible] واقفیت تھی جس کی شہادت لامسہ اور باصرہ دے رہی تھیں۔ میری انگلیوں کے لرزتے ہوئے پور۔ خط کی مشام آسا عنبر بیزی کو چھو رہے تھے۔ میری آنکھوں کے حیرت اندوز پردہ میں مضمون کی روشنائی کا نور چمک رہا تھا۔ وہ سرزمین فرانس کی سچی بیٹی تھی۔ دنیا کے رسم و رواج کی لایعنی قیود کو مطلق خاطر میں نہ لاکر اس نے اپنی دل ربا فطرت کے فیاضانہ جذبات کی رعایت کی تھی۔ اور میری بے باکانہ صاف گوئی کو خشمگیں نگاہوں سے نہ دیکھا تھا۔ اس کے غرور حسن نے میرے اشتیاق کو خاموشی سے نہیں ٹھکرایا تھا۔ اس نے میرا خط کھولے بغیر جون کا تون نہیں لوٹا دیا تھا۔

اس جواب کا مضمون حسب ذیل تھا۔

موسیو ہیس مجھے معاف فرمائیں۔ کہ میں ان کے وطن کی حسین و جمیل زبان میں پوری طرح عرض مدعا کرنے سے قاصر ہوں۔ مجھے اس ملک میں آئے ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔ اور اس لئے انگریزی زبان میں مجھے کافی دسترس نہیں ہو سکی۔

اپنی کج مج بیانی کی اس عذر خواہی کے بعد مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے۔

کہ موسیو سیمپن نے میرے دل ناشاد کی حالت کا جو اندازہ لگایا ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ افسوس کہ نسوانی حیا اس سے زیادہ کچھ بھی کہنے کی اجازت نہیں دیتی۔

یوجینی للاند

میں نے اس نامہ دلنواز کو ہزاروں مرتبہ پڑھا۔ اور لاکھوں دفعہ چوما۔ اور آنکھوں سے لگایا۔ اس کی سطر سطر نشاط آور اور اس کا حرف حرف مرقص تھا۔ میں اس کو پڑھتا تھا اور ناچتا تھا۔ اور پھر پڑھتا تھا اور اُچھلتا تھا اسی طرح کی اور بھی کئی حرکتیں جن پر میرے دیرینہ سال دوستوں کو ہنسی آئے بغیر نہ رہے گی۔ اس وقت مجھ سے سرزد ہوئیں۔ لیکن ان کی مضحکہ خیز تفصیر اب میرے ذہن سے اُتر چکی ہے۔

لیکن اس ٹالبٹ کا ابھی تک پتہ نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے دیدہ دانستہ مجھ سے پرے پرے رہنے کی جی میں ٹھان لی تھی۔ شاید اسے علم نہ تھا۔ کہ میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہوں۔ اور نہ وہ ضرور میرے درد دل کی سب کیفیت لکھ بھیجی۔ دوسرے ہی دن اس کا جواب آیا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ چند ضروری کاموں نے مجھے روک رکھا ہے۔ لیکن عنقریب واپس آیا چاہتا ہوں۔ تم ازبرائے خدا اس قدر بے تاب نہ ہو۔ اپنی امنگوں کو۔ اعتدال کے اندر رکھو۔ اور فلسفہ سے کام لو۔

گدھا کہیں کا! عاشق کو فلسفی بناتا ہے۔ محبت کے کوچہ کی خاک چھاننے والوں کو ارسطو اور دیو جانس کلبی کے آگے زانوے ادب تہ کرنے کی

ہدایت کرتا ہے۔ اس واعظانہ حماقت کے ایک بے معنی طومار سے میری تواضع کرنے کے بجائے اگر وہ صرف تعارف کا ایک خط اپنی چٹھی میں میرے نام ملفوف کر دیتا۔ تو اس کا کیا حرج تھا۔ مگر دنیا نیک نیت احمقوں سے کبھی خالی نہ ہوگی۔

میں نے ٹالبٹ کو دوسرا خط لکھا جس میں اس سے یہ منت التجا کی گئی تھی کہ مغربی کا ایک نسخہ بواپسی مجھے بھیج دے۔ وائے ناکامی کہ میرا خط مکتوب الیہ تک پہنچنے کے بجائے اُلٹا میرے پاس آگیا۔ پشت پر ٹالبٹ کے ناہنجار ملازم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کچھ عبارت تھی۔ کہ یہ بدبخت خود بھی شور چھوڑ کر اپنے آقا کے پاس چلا گیا تھا۔ عبارت کا مضمون حسب ذیل تھا۔

میاں کل کسی نامعلوم مقام چلے گئے۔ یہ نہیں بتا گئے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ یا کب لوٹیں گے۔ اسی لئے خاکسار نے مناسب سمجھا کہ جناب کا خط جناب کے پاس بجنسہ واپس بھیجدے۔ خاکسار کو حضور کے خط کی شان معلوم تھی۔ اور اس بات کا بھی علم تھا۔ کہ حضور تاخیر پسند نہیں کرتے۔ اور [illegible] کیا کرتے ہیں۔

تابعدار خاکسار کوٹر مین

یہ عبارت پڑھ کر مجھے جس قدر طیش آیا ہوگا۔ اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ آقا اور ملازم دونوں کو حوالہ شیطان لعین کر کے میں نے یہ خط پرزے پرزے اڑا دیئے اور دانت پیس کر رہ گیا۔

لیکن ابھی تک ایک امید باقی تھی۔ خدا میری دیدہ دلیری کو
سلامت رکھے اس نے ہر مرحلہ میں اب تک میری رہنمائی کی تھی۔ اور
کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ آخر وقت تک وہ میرے کام نہ آئے۔ اس نامہ و پیام
کے بعد جس کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا معاشرت کے رواجی ضابطہ کی کوئی
ایسی خلاف ورزی نہ تھی جس کا مجھے حوصلہ نہ ہو سکے۔ اور جو مجھے میڈم
للاند کی نظروں سے گرا سکے۔ اس کا خط آنے کے بعد میرا یہ معمول ہو گیا
تھا۔ کہ روز شام کے وقت ایک دیوار کے ساتھ لگا ہوا جو اس کے
مکان سے ملی ہوئی تھی۔ اسے دیکھا کرتا تھا۔ پاس ہی ایک چمن تھا۔
جہاں وہ ایک حبشی خدمتگار کے ساتھ لے کر سر شام ہوا خوری کیا کرتی تھی۔
اسی گلگشت میں میری تمنائیں پوری ہو سکتی تھیں۔

ایک دن موقعہ پا کر میں چمن میں داخل ہوا۔ اور خدمتگار کی آنکھ میں
خاک جھونکنے کے لئے اس بے تکلفانہ انداز میں میڈم للاند سے صاحب
سلامت کی کہ دیکھنے والے کو یہی گمان ہو سکتا تھا۔ کہ ان میں دیرینہ رسم
وراہ ہے۔ اس جمعیت خاطر سے جو کسی فرانسیسی خاتون ہی کا حصہ ہو سکتی ہے۔
کسی قسم کی جھجک ظاہر کئے بغیر اس نے بھی برابر کا تپاک ظاہر کیا۔ اور
اپنا دست سیمیں ملانے کے لئے بڑھایا۔ تو کریہ دیکھتے ہی پیچھے ہٹ گیا۔
اور اس راز و نیاز کی ساعت آ گئی جس کے انتظار نے مجھے مدتوں
تڑپایا تھا۔

جس طرح میڈم للاند کی انگریزی تحریر میں روانی نہ تھی۔ اسی طرح تقریر بھی

وہ رک رک کر کرتی تھی۔ اسی لیے ہماری گفتگو فرانسیسی زبان میں ہوئی۔ یہ میٹھی اور لچکیلی زبان جذباتِ محبت کے اظہار کے لیے خصوصیت کے ساتھ موقع ہوئی ہے۔ میری آرزوئیں تمنائیں اور امنگیں ایک سن ذخار بن کر بہنے لگیں۔ تمام وہ جوشِ فصاحت جس پہ مجھے قدرت تھی صرف عرضِ مدعا ہو گیا۔ کہ جس قدر جلد ممکن ہو نکاح ہو جانا چاہئے۔

میری اس بے تابی پر وہ متبسم ہوئی۔ اور رسم و رواج کی انہیں تکلیف دہ پابندیوں کی دو قیانوسی داستان دُہرانے لگی۔ جنہوں نے نہ معلوم آج تک کتنی تمناؤں کا خون کیا ہے۔ اور کتنی جوانیوں کو انتظار ہی انتظار میں بڑھاپوں سے بدلا ہے۔ جبکہ خون میں حرارت ہی باقی نہ رہی تھی۔ میری طرف سے جتنی مرتبہ اظہار اشتیاق ہوتا تھا۔ اُتنی ہی دفعہ وہ ایک خم آب سرد کا میری تمام امیدوں کے سر پر یہ کہکر انڈیل دیتی تھی۔ کہ اگر میرا نکاح تمہارے ساتھ پہلی ہی رسمی ملاقات کے بعد ہو گیا۔ تو دنیا کیا کہے گی۔ اور ہم اپنے ہم چشموں سے کس طرح آنکھ ملا سکیں گے۔ اتنی شتاب کاری اچھی نہیں۔ آخر ہمیں دنیا میں رہنا ہے۔ اور ننگ و ناموس کا پاس بھی ہے۔ اس کے علاوہ سچ پوچھو۔ تو تمہیں ابھی تک یہ بھی تو اچھی طرح معلوم نہیں۔ کہ میرا حسب و نسب کیا ہے۔ میرے عادات و خصائل کیسے ہیں۔ کہ اپنی بی بی کے متعلق شوہر کو ان تمام باتوں کا علم اچھی طرح ہونا چاہئے۔ تاکہ ان میں نباہ ہو سکے۔ میرے خیال میں تو تمہارا عشق ایک جنون انگیز جذبہ ہے۔ جو دل سے نہیں اُٹھا۔ بلکہ آنکھوں میں پیدا ہوا ہے۔ اور آنکھوں آنکھوں میں غائب ہو جانے والا ہے۔ اپنی محبت کو

کچھ عرصہ تک خوب آزما لو۔ کہ سچے عاشق کے جسر کی طرح گیر پاتو نہیں پھر جو کچھ کہو گے میں اس کے لئے حاضر ہوں۔

یہ باتیں جب اس نے مجھ سے کہیں۔ تو شفق کی سرخی بتدریج رات کی سیاہی میں مخلوط ہو رہی تھی۔ اور چمن کے رنگا رنگ پھولوں کی بھینی بھینی بو فصل تابستان کی جان پرور حرارت کی موجوں میں لپٹی ہوئی دماغ میں ہر لمحہ ایک نیا تلاطم بپا کر رہی تھی۔ اس کی پر فیلی منطق کا شاندار قصر اس منزل میں کچھ اوپر اوپر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن قصر کے سب سے اونچے کنگورے کو اس کی عقل و فنون کی معمارانہ چابک دستی تیار کر ہی چکی تھی۔ کہ اس کے سحر آلود ہاتھ کے ایک خفیف سے دباؤ نے اس کا دل میری مٹھی میں دیدیا۔ اور یہ آسمان سے باتیں کرتا ہوا محل وہم سے زمین پر آرہا۔

سچی محبت تمام مشکلات پر غالب آنے کی قدرت رکھتی ہے۔ میں نے اس کی ہر دلیل کار ازاس کے بے مثل حسن و جمال کی تعریف اور اپنی جان نثارانہ ثابت قدمی کی تفصیل سے گھٹایا۔ اور آخر میں اسے بیسیوں مثالیں دے کر یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ دریائے محبت ہمیشہ ایک سی ہی خموشی کے ساتھ نہیں بہتا۔ اس میں بلاخیز موجوں کے طوفان بھی اٹھتے ہیں اور بعض وقعہ کشتی بھنور میں گر کر ڈوب بھی جاتی ہے۔

اس آخری دلیل سے آخر اس کا دل پسیجا۔ اس نے میری باتیں سنکر کچھ دیر تامل کے بعد جواب دیا۔ کہ مجھے تمہاری بے لوث الفت میں تو شک نہیں رہا۔ لیکن ایک مشکل ابھی تک رفع نہیں ہوئی۔ تم نے شاید اس پر غور نہیں کیا۔

وہ مشکل عمر کا سوال ہے۔ عورت ذات کے لیے یہ بڑا نازک مسئلہ ہے۔ کوئی عورت اپنی عمر کی بحث میں پڑنا گوارا نہیں کرتی۔ لیکن تمہاری خاطر میں اس قربانی پر بھی تیار ہوں۔ کیا تم اچھی طرح جانتے ہو۔ کہ میری اور تمہاری عمر میں کس قدر فرق ہے؟ دنیا اس بات کو جائز رکھتی ہے۔ بلکہ مناسب سمجھتی ہے کہ خاوند کی عمر بی بی سے چند سال زیادہ ہو۔ پندرہ بیس سال بھی زیادہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ بی بی کا سن کسی حالت میں شوہر کے سن سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔ عمریں اگر غیر مساوی ہوں تو زندگی خوشی سے نہیں گذر سکتی۔ مجھ کو تو معلوم ہے۔ کہ تمہارا سن ۲۲ سال سے متجاوز نہیں ہے۔ لیکن کیا تم کو بھی اس حقیقت کا علم ہے۔ کہ میں تم سے عمر میں بہت بڑی ہوں؟

میری معشوقہ کے اس کھلے ہوئے اعتراف میں شرافت نفس ایسے دل ربایانہ تمکنت سے جھلک رہی تھی۔ اور اس کی یہ نئی ادا ایسی جادو بھری تھی کہ میری گرویدگی کی زنجیر میں ایک اور طلائی حلقہ کا اضافہ ہو گیا۔ اور میں نے مست و بیخود ہو کر کہا۔ کہ میری شیریں ادا پری جبینی کیا لغو باتیں کر رہی ہو۔ یہ سچ ہے۔ کہ تمہارا سن میرے سن سے کسی قدر زیادہ ہے۔ لیکن اس سے ہوتا کیا ہے۔ دنیا کی رسمیں حماقتوں کی پوٹ ہیں۔ جب دو دلوں کو اس محبت نے ایک کر رکھا ہو۔ جو تم کو مجھ سے اور مجھ کو تم سے البتہ کچھے ہوئے ہے۔

توجیسا ایک گھنٹہ ویسا ایک سال۔ تم کہتی ہو۔ کہ میری عمر ۲۴ سال ہے۔ بہت بہتر مانتا ہوں۔ کہ میرا سن اسی قدر ہے۔ اگرچہ حقیقت میں ۲۲ کے لگ بھگ ہوں۔ اور تم نے ناحق میری عمر گھٹائی لیکن پیاری یوجینی تمہارا سن بھی زیادہ نہیں۔ ہی ہی۔ ہی۔

اس امید میں کہ میڈم للاند اپنی صحیح عمر بتا کر میرا فقرہ پورا کرے گی میں ذرا اڑ گیا لیکن فرانسیسی عورتیں ایسے موقعوں پر صراحت کی بجائے کنایہ سے کام لینے کی خوگر ہیں۔ اگر کوئی سوال پریشان کن ہو۔ تو اس پر جواب وہ فوراً نہیں بلکہ فعلاً دیا کرتی ہیں۔ یوجینی کچھ دیر سے اپنی جیب ٹٹول رہی تھی۔ آخر اس کا نازک ہاتھ جیب سے باہر نکلا۔ اور ایک ننھی سی تصویر گھاس پر گر پڑی۔ میں نے جھک کر یہ تصویر اٹھالی اور اُسے دی۔

اس نے مسکرا کر کہا۔ میری خاطر سے اسے اپنے پاس رکھو۔ تمہاری نذر ہے۔ نقل اصل کو شرما رہی ہے۔ لیکن شبیہ کی پشت پر شاید وہ اطلاع درج ہو۔ جو تمہیں مطلوب ہے۔ اس وقت اندھیرا بہت ہو گیا ہے۔ صبح کی روشنی میں فرصت کے وقت دیکھ لینا۔ اچھا اب میرے ہمراہ گھر چلو۔ آج رات میں نے ایک مختصر سا جلسہ موسیقی ترتیب دیا ہے۔ اچھی اچھی گانے والیاں جمع ہوں گی۔ اور عمدہ عمدہ گانے تمہارے سننے میں آئیں گے۔ ہم اہل فرانس تم امریکہ والوں کی طرح بہت زیادہ مراسم پرست نہیں۔ اس لئے تمہیں

ایک پُرانے ملاقاتی کے بھیس میں گھر سے چلنا میرے لئے کچھ بھی مشکل نہ ہوگا۔

یہ کہہ کر اُس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں ڈالا۔ اور میرے بازو کے سہارے خراماں خراماں گھر پہنچی۔ مکان نہایت شاندار تھا۔ اور قرینہ سے سجا ہوا تھا۔ لیکن میرا اندازہ اس بارے میں کچھ بہت زیادہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جب میں میڈم للاند کو لئے ہوئے مکان میں داخل ہوا۔ تو تمام سامان آرائش غروب آفتاب کے دھندلکے میں ڈوب رہا تھا۔ اور چراغ نہ جلے تھے۔ گرمیوں میں غروب آفتاب کا وقت بہت ہی جانفزا ہوتا ہے۔ اور امریکہ کے گھر والوں میں یہ دستور ہے کہ لمپ دیر میں جلائے جاتے ہیں تاکہ شام کی سہانی کافوریت کا لطف جی بھر کر اٹھایا جا سکے۔

میرے آنے کے گھنٹہ بھر بعد مکان میں روشنی ہوئی لیکن سنگار کمرے میں جہاں مہمان جمع تھے۔ پھر بھی صرف ایک ہی لمپ روشن کیا گیا۔ کہ اس کا نور بھی ایک گلابی رنگ کے ریشمین فانوس میں سے چھن کر ہلکا ہو گیا تھا۔ تاکہ نگاہیں خیرہ نہ ہونے پائیں۔

اس پُر لطف شام کی لذیذ یاد میرے دل سے کبھی محو نہ ہوگی۔ میڈم للاند نے اپنے احباب کی تو اگرانہ قابلیتوں کے ذکر میں مطلق مبالغہ سے کام نہ لیا تھا۔ ایسے سکرین نغمے اس سے پہلے کسی خانہ ساز مجلس سرود میں میں نے نہ سنے تھے۔ پیانو بجانے والوں میں عورتیں اور مرد سبھی تھے۔ اور سب باکمال تھے۔

گانا زیادہ تر لیڈیوں نے گایا۔ اور کوئی ایسی نہ تھی۔ جس کا گلا نورکانہ ہو۔ آخر چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں ۔ کہ میڈم للاند کچھ سنائیں۔ وہ ایک مخملی صفہ پر میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی اہل بزم کے تقاضہ پر وہ اُٹھی۔ اور پیانو پر جاکر رسیلی تانیں اُڑانے میں مصروف ہوگئی۔ پہلے تو میں نے چاہا تھا۔ کہ اُسے خود پیانو تک لے جاؤں۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ آج پہلی دفعہ میرا یہاں آنا ہوا ہے۔ کہیں لوگوں کی غماز نگاہیں نہ اُٹھیں۔ میں اپنے گوشہ تنہائی ہی میں فردوس گوش کی سیر کرنے لگا۔

سننے والوں پر اس کی آواز نے بجلی کا سا اثر کیا۔ میری جو حالت ہوئی۔ اس کے اظہار کے لئے میرے پاس کوئی تشبیہ موجود نہیں۔ کچھ وجہ تو اس حالت کی وہ مئے محبت تھی۔ جس نے مجھے متوالا کر رکھا تھا۔ لیکن حقیقی باعث خود اس کی آواز کا سحر تھا۔ موسیقی کے فن سے جو شخص اچھی طرح واقف ہو۔ وہ اگر معمولی آواز بھی رکھتا ہو۔ تو سامعین کو بے خود کر سکتا ہے۔ لیکن مبدء فیاض سے وہ اگر گلا بھی نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا لایا ہو۔ تو پھر تڑپا ہی دیتا ہے۔ میڈم للاند میں یہ دونوں وصف جمع تھے۔ اس کی ایک ایک سحر نواز گونج خلا میں ملا کو ملا رہی تھی۔

اپنی شیریں نوائی کا اعجاز دکھا کر وہ پیانو کی تپائی سے اُٹھی۔ اور پھر میرے برابر آکر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کے کمالات کی ستائش میں رطب اللسانی کا

کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ لیکن جو تعجب مجھے اس کے کمال پر رہ رہ کر
ہوا تھا۔ کہ معمولی گفتگو کے وقت اس کی آواز میں ایک طرح کا ضعف
پایا جاتا تھا جس سے توقع نہ ہو سکتی تھی۔ کہ گاتے وقت اس کی آواز
ایسی پاٹ دار ثابت ہوگی۔ اس کا میں نے اس سے مطلق ذکر نہ کیا۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ حجاب درمیان سے بالکل اُٹھ
گیا تھا۔ جھجک کسی قسم کی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ دل کی ہر ایک بات
ضمیر کی مخفی سے مخفی کمینگاہوں کو چیرتی ہوئی زبان تک آ رہی تھی۔ میں نے
جوشِ محبت میں اپنی گذشتہ و موجودہ زندگی کے واقعہ کا اخفا بھی جائز نہ سمجھا۔
اُس کو حق تھا۔ کہ میرے تمام حالات سے واقف ہو۔ اور جب وہ عمر تک
کے نازک مسئلہ میں اُس صاف گوئی سے کام لے چکی تھی۔ جس کی عورتوں
سے اس بارے میں کبھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ تو کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ میں
بھی ایسی ہی صاف گوئی اختیار نہ کروں۔ خصوصاً جبکہ وہ میری زندگی
کی خفیف سے خفیف جزئیات سے واقف ہونے کا اشتیاق خود
ظاہر کر رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اپنی کتابِ زندگی کھول کر اس کے
سامنے رکھدی۔ اور نہ صرف یہ کہ اپنی تمام چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے
اسے آگاہ کر دیا۔ بلکہ اُن جسمانی کمزوریوں کی حقیقت اُسے جتلا دی
جس کا اعتراف بہت بڑی پامردی کا محتاج ہے اور اس لئے محبت کی
سب سے زیادہ زبردست شہادت ہے۔ طالب علمی کے ایام میں جو
اخلاقی بے احتیاطیاں مجھ سے کالج میں سرزد ہوئی تھیں۔ فضول خرچی۔

بادہ گساری قرضہ داری اور نظر بازی کے جن مرحلوں سے اوائل شباب میں مجھے گزرنا پڑا تھا۔ سب کا حال میں نے بلے کم وکاست سے کہہ سنایا اور تو اور میں نے اسے یہاں تک بتا دیا کہ کسی زمانہ میں مجھے خفیف سی کھانسی ہوا کرتی تھی۔ جو شاید شش کے خاندانی بگاڑ سے مجھے ترکہ میں پہنچی اور میں ضعف بصارت کے عارضہ میں تو اب تک مبتلا ہوں جس کا حال کسی کو معلوم نہیں۔

میڈم للاند نے ہنس کر کہا۔ کہ اس آخری کمزوری کا تم ناحق ذکر کیا اس لئے۔ اگر تم اپنے منہ سے اس جرم کا اعتراف نہ کرتے۔ تو کسی کو بھی تمہارے مجرم ہونے کا علم نہ ہو سکتا۔ لیکن پیارے تم اس عینک کو بھی جانتے ہو۔ جس کی طلائی زنجیر اس وقت میری گردن میں حمائل ہے۔

یہ فقرہ اس نے ایک ادا سے ادا کیا تھا۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس وقت اگرچہ اس کا عارض زیبا۔ لیمپ کی گلابی روشنی سے دور تھا۔ لیکن مجھے نیم ظلمت ہی میں اس پر حیا کی گہری سرخی جھلکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ میں نے اس نازک ہاتھ کو جس میں عینک میری طرف مدافعت کے لئے بڑھائی تھی۔ جوش سے دبا کر کہا۔ کہ جان من اس کو بھلا میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ اس کے شفاف حلقوں میں سے تو اول اول وہ جادو بہ کر نکلا تھا۔ جس کی موجوں میں میرا دل تھپیڑے کھا رہا ہے۔

میڈم للاند۔ دبیخی نگاہ کر کے تم نے مجھ سے ایک ایسا عطیہ مانگا ہے جس کو تم بے بہا سمجھتے ہو۔ یعنی تم چاہتے ہو کہ خدا یہ رات خیریت سے گذار دے نہیں تمہاری بیاہتا بی بی بن جاؤں۔ میں تم سے یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ کہ اگر میں تمہارا کہا مان جاؤں۔ تو کیا تم بھی اس کے معاوضہ میں مجھ پر ایک چھوٹا سا احسان کرنے کے لئے آمادہ ہو؟

میں۔ (اس جوش سے کہ قریب تھا کہ سب کی نظریں ہم اٹھ جائیں۔ اور لوگوں کی موجودگی کے خوف سے بمشکل اپنے آپ کو اُسے اپنے آغوش تمنا میں لینے سے روک کر) میری جان میری پیاری یوجینی میرے پاس اس دنیا میں جو کچھ ہے۔ سب تم پر نثار ہے۔ تم حکم کرو میں تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔

میڈم للاند۔ تو پھر اس یوجینی کی خاطر جس پر تم فریفتہ ہو۔ اور جو تم پر فریفتہ ہے تمہیں اس خفیف سی کمزوری کو رفع کرنا چاہیے۔ جو اگرچہ نگاہ سے پوشیدہ ہے۔ لیکن ایک نہ ایک دن تم کو کوئی سخت نقصان پہنچا کر رہے گی۔ اگر تم کو مجھ سے حقیقی محبت ہے تو اس تصنع کا پردہ اُتار پھینکو۔ جو تم سے ضعف بصارت کا اخفا کراتا ہے اور تمہیں عینک نہیں لگانے دیتا۔ جو اس عارضہ کا ایک ہی باقاعدہ علاج ہے۔ میں چاہتی ہوں۔ کہ اگر اور کسی خیال سے نہ سہی تو میری ہی خاطر سے تم آئندہ عینک لگایا کرو۔

میں۔ (اس انوکھی فرمائش سے حیرت زدہ ہو کر لیکن ساتھ ہی سوچ کر

کہ عینک و نکاح و لازم و ملزوم ہیں، بہت خوب۔ مجھے تمہاری یہ شرط بھی منظور ہے۔ کوئی ایسی خرابی نہیں۔ جو میں تمہارے لئے کرنے پر رضامند نہ ہوں۔ اس ہمارکباد کی اولیں صبح کو جب میں تمہیں اپنی بیوی کے پیارے نام سے پکاروں گا۔ تم یہ عینک میری ناک پر دیکھو گی۔

اس کے بعد ہم اپنے عقد کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ جو اگلی صبح ہونا قرار پایا تھا۔ مجھے اپنی منگیتر کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ ٹالبٹ اپنے سفر سے ابھی ابھی لوٹا ہے۔ ہم دونوں نے یہی فیصلہ کیا۔ کہ میں ٹالبٹ کے گھر جاؤں۔ اور ایک تیز رفتار دو اسپہ گاڑی بہم پہنچاؤں۔ رات کے دو بجے تک کہیں یہ جلسہ ختم ہوگا۔ اتنے میں گاڑی دروازہ پر آچکی ہوگی۔ مہمان جب رخصت ہونے لگیں گے۔ تو میڈم لالاند اس ہنگامہ میں آنکھ بچا کر گاڑی میں بیٹھ جائیں گی۔ اور ہم ایک پادری کے مکان پر پہنچیں گے۔ جو ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔ وہاں نکاح سے فارغ ہو کر ٹالبٹ کو اتار دیں گے۔ اور خود طبقہ عالیہ کی رنگین ادا دنیا کو اپنے ناگہانی عقد کے زلزلے پر ہکا بکا چھوڑ کر اپنے اولین ایام مواصلت کی لطف اندوزی کے لئے ارض مشرق کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

اس تمام محنت و غیرہ کے بعد میں ایک کرایہ کی گاڑی پر سوار ہو کر ٹالبٹ کے مکان کی طرف روانہ ہوا اور رستہ میں جب میں ایک ہوٹل

کے قریب سے گذر رہا تھا۔ تو یکایک کوچبان کو ٹھہرا کر میں پیاس بجھانے کے بہانے سے ہوٹل میں داخل ہوا۔ لیکن میرا اصلی مقصد کچھ اور ہی تھا۔ میں اس تصویر کو بغور دیکھنے کے لئے بے تاب تھا۔ جو یوجینی نے بطور یادگار مجھے دی تھی۔ عینک لگا کر جب میں نے اس پر نظر ڈالی۔ تو ایک چاند کا ٹکڑا سامنے آگیا۔ وہ مد بھری آنکھیں۔ وہ پتلی موزوں جس میں سارے یونان کا غرور حسن سمایا ہوا تھا۔ وہ سیاہ مشکبار گیسو جن کی سرکشی دنیا کے کسی تاجدار کے بس کی نہ تھی۔ کس کے تھے! میری دلربا محبوبہ کے! میں نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا۔ تو حسب ذیل عبارت منقوش تھی:۔ یوجینی للاند عمر ۲۰ سال ساحت اینے۔

ٹالبٹ گھر پر ہی موجود تھا۔ میں نے اسے اپنی قسمت کی رسائی کی کہانی تک سنائی۔ اس نے بے انتہا تعجب ظاہر کیا۔ لیکن نہایت ہی گرم جوشی سے مبارکباد بھی دی۔ اور کہا کہ میں ہر طرح کی مدد دینے کے لئے آمادہ ہوں۔ قصہ مختصر یہ کہ جو تجویز قرار پائی تھی۔ اس پر حرف بحرف عمل ہوا۔ اور رات کے دو بجے رسم نکاح کے دس منٹ بعد میں نے اپنے آپ کو میڈم للاند کے ہمراہ جسے اب مجھے مسز سیمپن کہنا چاہیے۔ ایک بند گاڑی میں پایا۔ جو شہر کے باہر تیزی سے شمالی و مشرقی سمت میں جا رہی تھی۔

ٹالبٹ کا مشورہ یہ تھا۔ کہ چونکہ ہماری ساری رات آنکھوں میں کٹنے والی تھی۔ اس لئے ہماری پہلی منزل ایک گاؤں ہو۔

جو شہر سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں ناشتہ کے بعد ہم کچھ دیر آرام کریں۔ اور پھر آگے روانہ ہوں۔ ہم نے اس صائب رائے پر عمل کیا۔ ٹھیک چار بجے گاڑی گاؤں کی سب سے بڑی سرائے کے دروازہ پر جا کھڑی ہوئی۔ میں اپنی مہ جبین بی بی کو اتار کر سرائے میں لے گیا۔ اور سرائے والے سے کہا۔ کہ ہمارے لیئے فوراً ناشتہ طیار کرے۔ ہم ایک چھوٹے سے کمرے میں فروکش ہوئے۔ اور آرام کرسیوں پر دراز ہو گئے۔

اس وقت اُفق کے مشرقی دریچوں کے پٹ کھل رہے تھے۔ اور سفیدہ سحران میں سے نمودار ہو رہا تھا۔ میری نگاہ جب اس پر پڑی۔ جو میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ تو مجھے دفعتاً یہ انوکھا خیال آیا کہ دن کی روشنی میں آج پہلی مرتبہ میں میڈم للانڈ کے شہرہ آفاق حسن کو پاس سے دیکھ رہا ہوں۔

میری بی بی نے میرا ہاتھ فرط محبت سے دبا کر میرے سلسلہ خیالات کو منقطع کر دیا۔ اور کہنے لگی۔ کہ میرے جان سے پیارے شوہر اب ہم دو قالب و یک جان ہو چکے ہیں۔ اور میں اپنی تمام ہستی تمہارے حوالے کر چکی ہوں۔ مجھے وہ چھوٹا سا وعدہ یاد دلانا ہے۔ جس کا ایفا تمہارے ذمے ہے۔ تمہیں یاد ہو گا۔ کہ گذشتہ شب تم نے یہ وعدہ مجھ سے ان الفاظ میں کیا تھا۔

کوئی ایسی قربانی نہیں۔ جو میں تمہارے لئے کرنے پر رضامند

نہ ہوں۔ اس مبارک دن کی اولین صبح کو جب میں
تمہیں اپنی پی بی کے پیارے نام سے پکاروں گا۔
تم یہ عینک میری ناک پر دیکھو گی۔

ان الفاظ کا حرف حرف میرے دل پر نقش ہے کیا ان میں میں نے
کوئی کمی بیشی تو نہیں کی؟

میں نے جواب دیا۔ کہ آرام جان من حقیقت میں تم نے میرے
الفاظ کو خوب یاد رکھا۔ میں تمہارے حافظہ کی داد دیتا ہوں لیکن
تم ایسی بے حقیقت بات پر اتنا زور کیوں دیتی ہو۔ اول تو مجھ سے
وعدہ خلافی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور دوسرے یہ وعدہ کون بڑا ہے۔
جس کا ایفا دقت طلب ہو تو میں تمہارے سامنے ہی عینک
لگائے لیتا ہوں۔ اس جواہر نگار عینک سے تو اور میری ناک کی
زیبائش دوبالا ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر میں نے عینک اٹھائی۔ اور
مسز سمپسن جس کے چہرے پر نہ معلوم یک بیک کیوں ایک رنگ
آنے اور ایک رنگ جانے لگا۔ اپنی ٹوپی کو سنبھالتی ہوئی کرسی
پر بہت نفاست و رنگینی کے ساتھ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

عینک میری ناک کے بانسے میں پیوست ہو رہی تھی۔ کہ
یکایک میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ اور بے اختیار میرے منہ سے یہ جملے نکل گئے۔
گگیا لوسی! یہ کیا اندھیر ہے۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں! اس عینک کو
کیا ہو گیا! یہ کہہ کر میں نے عینک جھٹ اتار ڈالی۔ اور پشیمانی سے

رومال سے پونچھ کر پھر باحتیاط ناک پر جمائی۔

لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ عینک قصور وار تھی۔ اور نہ میری نگاہ ہی فریب خوردہ تھی۔ بلکہ ایک نہایت وحشت خیز اور دہشت انگیز حقیقت کا انکشاف مجھ بدنصیب کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ پہلی مرتبہ جب میں نے عینک لگائی۔ تو میں سمجھا۔ کہ عالم بیداری میں مجھے کوئی خواب پریشان نظر آرہا ہے۔ میں نے آنکھیں ملیں۔ اور عینک کو اچھی طرح صاف کر کے دوسری مرتبہ ناک کے بانسے پر باحتیاط جمایا۔ لیکن اس دفعہ میں حیرت سے ہکا بکا اور مبہوت و ششدر رہ گیا۔ یہ کیا ڈراونی اور گھناونی تصویر تھی۔ جو مجھے نظر آرہی تھی۔ کیا میری آنکھیں واقع میں مجھے دھوکا دے رہی تھیں! کیا اون کی گواہی جھوٹی تھی! کیا وہ سفید اور گلابی پوڈر کی موٹی سوٹی نہیں تھیں! اور کیا وہ یوجینی لیلاند کے چہرے کی جھریاں جو مرجھائی ہوئی چمڑی کی بوسیدگی کا راز فاش کر رہی تھیں۔ اور او چھوٹے بڑے شیطانو۔ جو جہنم کے کونے کونے میں دبکے پڑے ہو۔ اپنی عفریتی کمینگاہوں سے نکل کر ہوا اُس ناپاکی کے صدقے میں جس سے دنیا جہاں کے منہ اس بھرے ہوئے ہیں مجھے یہ تو بتاؤ۔ کہ اس کی ہنسی کیا ہوئی۔ اسکے پوپلے منہ میں تو دانتوں سے چھوٹے ہوئے مسوڑوں کے علاوہ اور کچھ تھا ہی نہیں

اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا ہزاروں بچھو اور

لاکھوں اژدہے مجھے لپیٹے ہوئے ہیں۔ میں جست بھر کر کانپتا ہوا دور جا کھڑا ہوا۔ اور بینک کو زور سے فرش زمین پر دے پٹکا۔ مسز سیمسن اپنے متاع پوست اور استخوان کے ساتھ اچھی خاصی چڑیل بنی ہوئی میرے سامنے کھڑی تھی۔ میری آنکھیں اُبلی پڑتی تھیں۔ میں منہ میں جھاگ پر جھاگ لا رہا تھا۔ لیکن خوف دہشت اور غیظ و غضب کے مارے میری زبان بند تھی۔

مسز سیمسن (میری ان حرکات سے بظاہر متعجب ہو کر اس انداز سے کہ گویا میرا طرز عمل اس کی بہت بڑی اہانت کا باعث ہو رہا ہے)۔ کیوں صاحب آپ حواس باختہ کیوں ہو گئے۔ کہیں دماغ تو نہیں چل گیا۔ اگر میں آپ کے پسند نہیں تھی۔ تو آپ نے میرے ساتھ عقد ہی کیوں کیا۔

میں۔ (ہانپتی کانپتی آواز میں) او پوپلے منہ والی ڈھنڈو۔ او رکھائی کھیلی للو۔ او رادہ سال خوردہ ڈرخل۔

مسز سیمسن۔ میں اور سال خوردہ! تم میری توہین کر رہے ہو۔ میری عمر تو بیاسی سال سے ایک دن بھی زیادہ نہیں۔

میں۔ (اس طرح لڑکھڑا کر کہ گویا کسی نے مجھے گولی مار دی) بیاسی سال! خدایا کیا میں زندہ درگور ہونے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ او بیاسی ہزار چندروں کی خالہ! او بیاسی لاکھ لنگوروں کی نانی۔ تیری تصویر پر تو یہ لکھا ہے۔ کہ تیری عمر ستائیس سال سات مہینے کی ہے۔

مسز سمپسن۔ تصویر پر جو کچھ لکھا ہے۔ بالکل درست ہے۔ اس تصویر کو کھینچے ہوئے پچپن سال کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس وقت میں اپنے دوسرے شوہر للاند سے بیاہی گئی تھی۔ اور میری بیٹی نے جو میرے پہلے شوہر موسیو موسار سے تھی۔ بڑا تقاضا کر کے یہ تصویر اُتروائی تھی۔

میں۔ (متحیر ہو کر) موسار!

مسز سمپسن۔ موسار نہیں تو اور کیا۔ تمہیں اس کی کیا خبر!

میں۔ ادھر یوں میں اپنی ہوئی شفقت کچھ بھی نہیں۔ فقط اتنا جانتا ہوں کہ میرے بزرگوں میں ایک بزرگ اس نام کے ہو گذرے ہیں۔

مسز سمپسن۔ اس نام میں کیا عیب ہے۔ بڑا اچھا نام ہے۔ اور کانوں کو بھلا معلوم ہوتے ہیں دوسار سے کم نہیں۔ میری بیٹی مس موسار دوسار سے بیاہی گئی تھی دونوں ناموں سے شرافت ٹپکتی ہے یا نہیں

میں۔ (بہرا استعجاب) عجیب! موسار ہی نہیں بلکہ دوسار بھی۔ بڑی با تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔

مسز سمپسن۔ مطلب اس وقت سمجھو گے۔ جب موسار اور دوسار کے ساتھ میں کروسار اور فروسار کے نام بھی لوں گی۔ میری دوہتی مس دوسار نے موسیو کروسار کے ساتھ عقد کیا تھا۔ اور میری پڑدوہتی مس کروسار موسیو فروسار سے بیاہی گئی تھی۔ تم شاید ان باتوں کو بھی شریفانہ نہ سمجھو گے۔

میں۔ (دماغ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوتی ہوئی محسوس کر کے)

کیا کہا ؟ تمہاری مراد موسار اور فردوسار کی مشہور مقفےٰ ترجیع سے تو نہیں۔

مسز سمپسن۔ ہاں اسی ہمو زن ناموں والے خاندان ہی کا ذکر کر رہی ہوں موسار اور دوسار۔ کروسار اور فردوسار صرف اتنا مجھے اور کہنا ہے۔ کہ فرد سار تمہاری وضع کا ایک بہت بڑا گاؤدی تھا جو فرانس جیسا حسین و جمیل وطن چھوڑ کر امریکہ کے بوستان میں چلا آیا۔ اور یہاں آکر اس کے گھر میں ایک اوّل درجے کا احمق اور کندہ ناتراش بیٹا پیدا ہوا جس سے ملنے کی ناقابل رشک مسرت ابھی تک نہ تو مجھ کو حاصل ہوئی ہے۔ اور نہ میری ساتھ والی خاتون میڈم استیفانی بلانڈ کو نصیب ہوئی ہوں۔ کہ اس بے دال کے بودم کا نام نپولین بوناپارٹ فردوسار ہے۔ تم تو یہی کہو گے۔ کہ یہ نام بھی شرافت سے عاری ہے۔

یا تو اس تقریر کی طوالت ہی خوش آور تھی۔ یا اس کی نوعیت ہی زہریلی ہوگی۔ بہر حال خاتمہ کلام پر مسز سمپسن اپنی کرسی سے اس طرح اُچھلی۔ جیسے تار کو جھٹکا دینے سے کٹھ پتلی اچکتی ہے۔ اور اُس کی ایک جست نے دنیا جہان کے ہنگاموں کی گرمی کو فرش پر بکھیر دیا۔ اُس کے مصنوعی دانت مسوڑوں سے ایک ایک انچ اوپر اُٹھ کر آپس میں بجنے لگے۔ کسی کم ہمت بڑھیا کی لکشی کی طرح جو بوٹی چرانے والی بلی کی تنبیہ کے لئے اٹھتی ہے۔ اُس کے

سُوکھے ہوئے بار وچڑھی ہوئی آستینوں میں سے نکل کر ہوا میں گھومنے لگے۔ اُس کی ناک جس کی ہشتاد و دو سالہ گرفت شاید ساری دنیا کے ہڈی چمڑے کی اجارہ دار تھی۔ رہ رہ کر میری ناک کی سمت میں تننے لگی۔ اور اس بے لفظ قہقہے کا مقطع اُس نے اس طرح ادا کیا۔ کہ پیچھے دار ٹوپی سر سے نوچ پھینکی جس کے ساتھ ہی ایک قلقاری مار کر اُس نے اپنے سیاہ مصنوعی بال بھی جو اُس کی سفید ٹنڈی کو چھپائے ہوئے تھے۔ زمین پر دے مارے۔ اور دیوانہ وار ناچ ناچ کر اُنہیں پاؤں میں روندنا شروع کیا۔

میرے جسم میں اُس وقت کاٹنے سے لہو کی ایک بوند نہ تھی۔ بے دم ہو کر میں اُس کرسی پر گر گیا جو اُس نے خالی کی تھی۔ جب ذرا حواس بجا ہوئے۔ تو وہ تمام گھر سوسار اور وہ سارا وکرو سامان اور فرد و سارہ کے خاندانی تماشے میری زبان پہ جاری ہونے لگے۔ کہ اس تنگ بندی کا گڑا خود میں ابد بخت تھا۔ وہ عروس ہزار داماد یعنی میری عجوزہ بی بی ابھی تک اپنے پرانے ڈھانچے کی رہی سہی آگ کو غصہ کی دھونکنی سے دہکا رہی تھی۔ میں نے چلا کر کہا۔ کہ او دقیانوسی ناگن میں ہی تو تیرا پین بونا پارٹ فرد و سارہ ہوں۔ اور یقیناً میں نے اپنی تنگ دامانی کے ساتھ نکاح کر کے جہنم کی کلونس سے اپنا منہ سیاہ کیا ہے۔

حقیقت نفس الامری یوں ہی تھی۔ میڈم یوجینی للاند حال مسز سیمسن اور سابق مسز موسار میری نگڑ نانی یعنی میری ماں کی ماں کی ماں کی ماں تھی۔ عالم شباب میں اُس کا حسن اپنی مثال آپ تھا۔ اور بیاسی سال کی عمر میں بھی اس کے قامت کی رعنائی اور اُس کی آنکھوں کا رسیلا پن اُس کی دوشیزگی کے عہد کو یاد دلاتا تھا۔ کچھ تو اپنے بلند بالا قد اور خوبصورت آنکھوں کی قدرتی مدد سے اور کچھ پسے ہوئے موتیوں کے پوڈر۔ رنگین غازہ۔ جھوٹے بالوں۔ مصنوعی دانتوں اور سینہ کے اُبھار نے والی گدیوں کی مصنوعی سے جس پر پیرس کی بہترین مشاطگی صرف ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک دارالسلطنت فرانس کے حسینوں میں اپنا درجہ قائم رکھے ہوئے تھی۔

وہ بے انتہا دولتمند تھی۔ اور چونکہ دوسری مرتبہ بیوہ ہونے پر اُس کے کوئی اولاد موجود نہ تھی۔ جو اُس کی وارث ہوتی۔ اس لئے اُسے میرا خیال آیا۔ کہ امریکہ میں رہتا ہوں۔ اپنے دوسرے شوہر کی ایک دور کی رشتہ دار میڈم استفانی للاند کو ساتھ لے کر وہ پیرس سے میری ہی تلاش میں آئی تھی۔ کہ مجھے اپنا وارث بنا سکے۔

تھیٹر میں میری نانی کی توجہ میری تاک جھانک سے میری طرف منعطف ہوئی اور عینک لگا کر جب اُس نے مجھے دیکھا۔ تو میری صورت میں اُسے ایک حیرت انگیز خاندانی مشابہت نظر آئی۔

یہ تو اسے معلوم ہی تھا کہ اُس کا بڑھا وہ ہتاحبس کی جستجو کے لئے اُس نے اتنا بڑا سفر اختیار کیا ہے۔ اسی شہر میں ہے۔ میری صورت کو اپنی صورت سے کسی قدر ملتا جُلتا پاکر اُس نے خیال کیا کہ ہو نہ ہو میں ہی اس کی جستجو کا مقصد ہوں۔ وہ جنٹلمین جو اُس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ مجھے جانتا تھا۔ اور اُس نے میری نگرانی کو میرا حسب و نسب تفصیل کے ساتھ بتا دیا۔ اب وہ پھر عینک لگا کر مجھے غور سے دیکھنے لگی۔ معائنہ کے اسی تکرار نے میرا حوصلہ بڑھا کر مجھ سے وہ نامعقول حرکتیں صادر کرائی تھیں۔ جن کا ذکر میں شرح و بسط کے ساتھ کر چکا ہوں۔ لیکن وہ یہ سمجھی کہ اتفاقیہ طور پر مجھ کو اُس کی شخصیت کا علم ہو گیا ہے اور میں مادرانہ ادب کے اقتضا سے اُس کو سلام کر رہا ہوں۔ اسی لئے میرے اشارۂ سر کا جواب اس نے برابر کے اشارہ سے دیا۔ جب اپنی بینائی کے ضعف اور مشاط کی صنعت کی دوگونہ تلبیس نے اجنبی خاتون کی عمر اور حسن و جمال کی طرف سے مجھے دھوکے میں ڈالا۔ اور میں نے ٹالبٹ سے اس کا نام و نشان دریافت کیا۔ تو اُس نے یہ سمجھ کر کہ میری مراد نوخیز خاتون سے ہے بالکل درست کہا تھا۔ کہ وہ مشہور صاحب جمال بیوہ میڈم للاند ہے۔

دوسرے دن صبح کے وقت میری نگرانی کی ٹالبٹ سے راہ چلتے مڈ بھیڑ ہوئی۔ ٹالبٹ کو وہ ایک مدت سے جانتی تھی۔ اس لئے کہ ٹالبٹ دتوں پیرس میں رہا تھا۔ میرا جب ذکر آیا۔ تو میرے دوست نے میرے ضعف بصارت کی کیفیت اُس سے بیان کی۔ میں آج تک اسی دھوکے میں رہا کہ اس کمزوری کی

عالم بجز خاص خاص احباب کے اور کسی کو نہیں لیکن حقیقت یہ ہے
کہ اس کمزوری کا چرچا عام تھا۔ اور میرے ملاقاتیوں میں کوئی ایسا نہ تھا
جو نہ جانتا ہو کہ مجھے دور کی چیز ٹھیک نظر نہیں آتی یہ اور بات ہے کہ
بتقاضائے اخلاق مجھ پر انھوں نے اپنا یہ علم ظاہر نہ کیا ہو۔ میری
منگیتر نانی کو جب معلوم ہوا کہ میں اس کے حالات سے ناواقف
ہوں۔ اور جو حرکت میں نے تھیٹر میں کی تھی اس کی حقیقت اس سے
بڑھ کر نہ تھی۔ کہ ایک دیرینہ سال اجنبی عورت کے ساتھ بھری تماشا گاہ
میں اشارے کنائے کرنے کی حماقت مجھ سے سرزد ہوئی تھی۔ تو وہ
بہت ہی سٹپٹائی۔ اور مجھے میری احمقانہ خود فراموشی کی سزا دینے کے لئے
ٹالبٹ کے ساتھ ایک انوکھا منصوبہ گانٹھا۔ وہ جان بوجھ کر غائب
ہو گیا تھا تاکہ میری معشوقی نہ ہونے پائے۔ گلیوں میں جب میں پوچھتا پھرتا
تھا۔ کہ رو جبال بیوہ میڈم لالانہ کہاں رہتی ہے۔ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ
میں کم عمر والی خاتون کا پتہ دریافت کرتا ہوں۔ ٹالبٹ کے گھر سے
رخصت ہو کر رستہ میں جن تین دوستوں سے میری ملاقات ہوئی تھی۔
اُن کی گفتگو کا مطلب اب اچھی طرح ناظرین کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔
ان کی روشنی میں مجھے اپنی منگیتر نانی کو پاس سے دیکھنے کا موقعہ
ایک دفعہ بھی نہ ملا تھا۔ مجلس سرود میں جب اہل بزم یکطرف سے تقاضا
ہو رہا تھا کہ میڈم لالانہ کچھ سنائیں تو اُن کی مراد چھوٹی خاتون سے تھی۔
اور دوشی کی رسیلی تانوں سے سارا مکان گونج اُٹھا تھا۔ مجھے دھوکے نہیں

رکھنے کے لئے میری نگڑ ناقی خود بھی اٹھ کر سنگار کمرے میں پیانو کے پاس
جا بیٹھی تھی۔ اگر میں اُس کی متابعت پر مصر ہوتا تو وہ مجھے یہ جتانے کا
قصد کر چکی تھی۔ کہ میرا اُس کے ہمراہ جانا مناسب نہ ہوگا۔ لیکن خود میری
احتیاط نے اس انتباہ کی ضرورت باقی نہ رکھی۔ جن شکرین نغموں نے
مجھے از خود رفتہ کر دیا تھا اور جنہیں سن کر یقین ہو گیا تھا۔ کہ ایک
کمسن نازنین بھی کا گلا ان پہ قادر ہو سکتا ہے۔ وہ میڈم استیفانی ملانڈ
کی معجزانہ نواسنجی کے کرشمے تھے۔

عینک مجھے اسلئے دی گئی تھی کہ مجھ میں جو بننے کی عادت تھی۔
اس پر مجھے ملامت کرنے کا موقع میری نگڑ ناقی کے ہاتھ آجائے۔ اور تصنع
کا بدنما دھبہ میرے دامان سیرت سے چھوٹ جائے۔ میں سمجھا تھا۔ کہ
یہ وہی عینک ہے جو میری نگڑ ناقی کے مرصع پٹکے سے لٹکی ہوئی مجھے تھیٹر
میں نظر آئی تھی لیکن حقیقت میں یہ ایک اور عینک تھی۔ جو میری نظر کا
فرق ملحوظ رکھ کر خریدی گئی تھی۔ اور وہ میری نگاہ کے لئے بالکل موزوں
واقع ہوئی تھی۔

وہ پادری جس نے نکاح پڑھا تھا۔ حقیقت میں پادری نہ تھا۔
بلکہ ٹالبٹ کا ایک لنگوٹیا یار تھا۔ پھر بھی وہ کوچبان بڑا اچھا تھا۔ اور
جب نکاح خوانی کی رسم سے فراغت ہو چکی۔ تو یہ تبدیل ہیئت جناب
پاپائے مقدس کے یہی مصنوعی جانشین صاحب اس گاڑی کو ہانکنے
کی خدمت پر مامور ہو گئے تھے۔ جو "خوش خرم دولہا اور اسکی نئی نویلی دلہن"

کو شہر سے باہر لے گئی تھی۔ ٹابٹ صاحب بھی اپنے یار غار کے پہلو میں تشریف رکھتے تھے۔ جب سرائے حجرہ میں وہ کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ جس کی تشریح ان اوراق میں ہو چکی ہے۔ تو یہ دونوں نفنگے ایک کھڑکی میں سے جھانک کر ہنس رہے تھے۔ جب تک میں ان دونوں کمینٹیوں کی تواضع ایک آدھ گدے سے نہ کرونگا مجھے چین نہ آئیگا۔

لیکن مقام شکر ہے۔ کہ میں اپنی آکڑ نانی کا خاد نہیں ہوں۔ بلکہ یہ جال استیفائی للاند میری بی بی ہے۔ کہ یہ رشتہ میری نگر نانی ہی کا تجویز کیا ہوا ہے۔ جس نے اپنی وفات پر بشرطیکہ ایسے حادثہ کا وقوع ممکن ہو۔ مجھے اپنا وارث قرار دیا ہے۔

آخر میں مجھے صرف اسی قدر اور کہنا ہے کہ میں اب ہمیشہ عینک لگاتا ہوں۔

تمام شد

خالاؤں کا مارا آغا

از

ادیب الملک نواب نصیر حسین خیال

رضوی اینڈ کمپنی تاجران کتب

باغ مرلیدھر حیدرآباد دکن

طبع اوّل

تعداد اشاعت ... (۵۰۰)

آبان ۱۳۵۴ سنہ ف

قیمت

خالاؤں کا مارا آغا

ڈرم ڈرڈ۔ دارجلنگ میں بہترین ہوٹل ہے اور میرے تجربے میں تو یہاں گھر کا سا آرام ملتا ہے۔ اس دفعہ کی گرمی خدا کی پناہ! الٰہی توبہ! پھر خدا نہ دکھائے! کچھ تو اس سے اور بعض شناسائیوں کے سبب کلکتہ چھوڑ کر آخر پہاڑ پر بھاگنا پڑا۔ راستے میں مسٹر فینل، مسز فینل، ان کی ایک سیانی جوان لڑکی، اور اس کی ادھیڑ خالہ[1] ہمسفر مل گئیں، اچھے اور ملنسار لوگ بمشکل ملتے ہیں، آخر یہ مشکل بھی آسان ہو گئی! ہم سب دارجلنگ پہنچے اور اسی ڈرم ڈرڈ میں اترے دن کے کھانے میں قید نہ تھی، ہاں رات کو ہم سب ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھاتے تھے، میز گول تھی۔ صدر کوئی نہیں اور پھر سب صدر۔ مسز فینل کی لڑکی۔ مس فرحا کو اگر صدر مان لیں تو ہو [illegible]

---

[1] خالہ کا کنایہ محاورے میں بی سے ہوا کرتا ہے۔

ہوتی تھی۔ اس کے داہیں طرف باپ۔ بائیں پر ماں۔ اس کے بعد خالہ بی اور بس فرحا آمنے سامنے!

گو اس میز پر کسی کا نام کھدا نہ تھا مگر وہ ہماری ملکیت سمجھ لی گئی تھی۔ کوئی اس طرف آنے کی ہمت بھی نہیں کرتا تھا۔ کوئی نہیں؟ کوئی حاکم بھی نہیں؟ ہاں، تھے تو بہت سے مگر ان کی دلچسپی کم تھی، کوئی زمیندار۔ ڈپٹی کلکٹر۔ یا آنریری مجسٹریٹ نہ تھا، کوئی خطاب کا بھوکا بھی سرِ میز دکھائی نہیں دیتا! (بدقسمتی سے) سب پیٹ بھرے تھے! وہ ادھر آتے کیونکر؟ اپنا خشک و خرانٹ چہرہ لئے خود غریب الگ بیٹھتے۔ اور اسی میں ان بیچاروں کی عزت بھی تھی!

ہم سب کھاتے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔ لُسّی (بلّی) کو وقت معلوم تھا۔ آدھا کھانا ختم ہو چکتا تو وہ پہنچتی، فرحا نے زالو بدلا تو سمجھے کہ لُسّی آئی۔ بے تکلف گود میں جا بیٹھی۔ ایک بیچی رکابی منگائی گئی۔ سب نے اپنے آگے سے تھوڑا تھوڑا اس میں ڈالا۔ فرحا نے منہ سے منہ ملا کر اسے پیار کیا۔ اس کا نیلا پٹا درست ہوا۔ گرہ مضبوط دی اور اٹھا کر میز پر چھوڑ دیا! وہ گلدان سے ملکر بیٹھی رکابی کی طرف جھکی۔ منہ ڈالا، اور مشغول ہو گئی! لُسّی سب کو عزیز تھی۔ پیش خدمت، باورچی، خانساماں یہاں تک کہ مہتر بھی چاہنے لگا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ فرحا کی تھی۔ بلکہ واقعی وہ تھی بھی پیاری پیاری! اور ہم کو انس ہو گیا تھا۔ وہ بھی پہچان گئی تھی۔

اس کے کمرے میں جاتے تو سب سے آگے وہی دوڑ کے استقبال کرتی۔ گود میں اٹھا لیتے۔ پیار بھی کرتے اور پھر اس کی ملکہ کی گود ہی میں چھوڑ دیتے!

پسی، ابھی بچہ تھی۔ شوخ تھی۔ چنچل تھی۔ میر تقی میر کی ہنسیں فرحا کی بلی تھی! دن کو اکثر کھیلتے کھیلتے بھاگ جاتی، نہ ملتی تو فرحا بے چین ہو جاتی۔ ہوٹل بھر ڈھونڈھنے لگ جاتا، اور جو لے آتا وہ فخر کرتا۔ کہتا کہ "مس بابا اب اسے باندھ کے رکھئے"! اس کے لئے ریشم آیا۔ ڈوری بٹی گئی۔ اس میں دن بھر لگ گیا۔ اسی سے آج دیر ہوئی۔ ہم لوگوں کو پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا۔ سوا آٹھ بجے مس فرحا اسے لئے، ڈوری کا ایک سرا پسی کے پٹے میں اور دوسرا ان کے کلمہ کی انگلی میں۔ اس طرح کھانے کے کمرہ میں آئیں! ہم لوگ دروازے سے ذرا فاصلہ پر تھے مگر ٹھیک سامنے، کمرے میں قدِ آدم آئینے لگے تھے۔ بجلی کی روشنی میں عکس پڑا تو سب نے مڑ مڑ کے دیکھا اور دیکھتے رہے۔ راستہ کے بیچ میں ایک میز تھی۔ گرد سب کرسیاں خالی۔ صرف ایک پر ایک جوان بیٹھا اپنے آگے کی رکابی کی مچھلی کے کانٹے نکال رہا تھا۔ آہٹ سے وہ بھی چونکا۔ متوجہ ہوا۔ کچھ گھبرایا۔ فرحا کو سر سے پیر تک بغور دیکھا۔ چہرے پر خون دوڑنے لگا! ساتھ ہی پسی پر نظر جا پڑی اور چہرہ زرد، جھٹ کرسی چھوڑ کھڑا ہو گیا، پیچھے ہٹا۔ پھر پسی کو غور سے دیکھا اور میز کی آڑ میں ہو گیا۔

راستہ چلنے والے کو کیا خبر؟ مگر ہم سب نے دیکھا۔ حیرت

ہوئی! بعضوں کو اس جوان سے نفرت بھی ہوئی! انہ معلوم وہ سمجھا
کیا؟ شاید بے مزا ہوا۔ نہیں ڈرا۔ بلی ہے؟ تعجب! اور پھر پسی
سے؟ عجیب! خدمتگار (ویٹر) پیچھے کھڑا تھا۔ ہنسی ضبط نہ کر سکا!
منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ باورچیخانہ کی طرف بھاگا مگر کچھ بڑبڑاتا بھی جاتا تھا
اس جوان نے دومرتبہ پکارا بھی۔ نہ بولا۔ بڑی دیر کے بعد ادھر سے
رکابی میں گوشت کا ٹکڑا لیئے آیا۔ شاید سزا دی! پسی کو ڈرنے
والے پر ہنسا۔ اس سے نفرت کرنے والے پر بڑبڑایا۔ دانت پیسے!
دانستہ گوشت کم۔ اور کسی قدر ٹھنڈا لایا!

آج پسی کو میز پر قرار نہیں۔ دن بھر کھیلنا نہیں ملا۔ اب
خوش فعلیوں پر ہے! فرحانے اس کی ریشمی ڈوری کرسی کے
بازو میں باندھ دی ہے۔ وہ میز پر سے کبھی نیچے کبھی اوپر۔ ابھی
فرحا کے زانو پر تھی ابھی اس کے کندھے پر پہنچی۔ گردن پر منہ
رکھ کر لگی بالوں کی خوشبو سونگھنے! ہوٹل میں شاید اس کا چرچا
ہوا۔ ایک ایک کرکے دیکھنے آیا۔ بعض جھانک ہی کر بھاگے بعض
قریب بھی آئے۔ مگر اس جوان کی طرف پیٹھ کیئے ہوئے! باورچی
بھی پہنچا چولھے پر ہنڈیا چڑھی چھوڑ کے آیا! ایک نے دوسرے کو
دکھایا۔ پسی کے نصیب پر شاید سب نے رشک کھایا۔ اسوقت
بعض تنگ چڑھے حکام بھی ادھر ہی مخاطب تھے۔ اکثر بلڈ تنگ
چھری سے کاٹنے لگے۔ ادھر سے نظر ہٹی تو اپنی حرکت پر شرمائے
چھری الگ کی اور پھر لگے دیکھنے!

آج کھانے میں بڑی دیر لگی۔ مینو[۱] الٹ پلٹ ہو گیا۔ پڈنگ کے بعد مرغی آئی سب نے کھا بھی لی! میووں کو سب بھولے شاید کھانے اور کھلانے والے دونوں زیادہ پی گئے تھے! پوچھتا اور یاد رکھتا کون! اس کے بعد کہیں کمرہ خالی ہوا۔ نہ معلوم وہ جوان کب اٹھا؟ کسی نے خیال بھی نہیں کیا! مسز رینیل اٹھیں تو ہم سب بھی اٹھے۔ یعنی جس شان سے آئی تھیں اسی شان سے سدھاریں ہم نے کمرے تک پہنچا بھی دیا۔ خدا حافظ کی۔ اور رخصت ہوا! نہ معلوم فرحا اسے لائی کہاں سے تھی۔ پوچھا نہیں۔ ضرور پوچھتے بھولے نہیں۔ پیٹ میں بات تھی۔ مگر اور باتوں میں اس کا موقع ہی نہ ملا۔ افسوس!

(۳)

آج کئی دنوں سے ہلڑ تھا کہ سنیچر کی رات کو رنک میں فینسی ڈریس بال ہونے والا ہے۔ جانے والوں نے بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں۔ کلکتہ سے کپڑے اور سامان تار دے کر منگائے گئے تھے مسٹر رینیل نے پیسہ پیسے کا روپ بھرا۔ مسز رینیل اس بڑھاپے میں سدا سہاگن بنیں۔ ان کی بہن کو بھوتنی کا جامہ بھایا! رہ گئیں فرحا۔ دوپہر تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ آج یہ کیا کرنے والی ہیں۔ ماں نے کئی دفعہ پوچھا بھی کہ "تم نے اپنے لئے اب تک کچھ نہیں

---

[۱] مینو۔ کھانے کی وہ فہرست جو لکھ کر سرِ میز رکھ دیتے ہیں۔

سوچا؟" وہاں تین بجے تک تصفیہ ہی نہیں ہوا تھا! چائے کے وقت فرمائش ہوئی کہ "مسز جمشید کے یہاں سے ساری آئے"! آدمی دوڑا گیا۔ بچاری نے اپنی نئی ریشمی دھانی ساری نکال کر فوراً بھیج دی۔ شلوکہ بھی ساتھ کر دیا اور لکھا کہ "ساری باندھ نہ سکو تو ہم آئیں!"

یہاں چھ بجے حمام سے فراغت ہوئی۔ آیا، اپنی سرمہ دانی لے کر غسل خانہ میں گئی تو سمجھے کہ اب کنگھی ہو رہی ہے! کوئی آدھ گھنٹہ بعد نکلیں۔ باپ کی نظر پڑی، مسکرا دیا۔ ماں نے دیکھا اور دیکھتے ہی نظر ہٹا لی! خالہ بے اختیار ہنس پڑیں، بندے گالوں پر ذرا بے موقع جھک آئے تھے۔ آئینہ میں دیکھ کر پھر خود درست کر لئے! سرمہ ایک طرف ذرا اچھل گیا تھا۔ رومال بھگو کے پوچھنا چاہا تو اور پھیلا! نہ ہو سکا تو آیا پکاری گئی۔ وہ آئی ہنس کے اس نے برابر کر دیا! شلوکہ ٹھیک ہوا۔ سامنے اور آستینوں میں تو نام کھی کاج چھوٹے اور بوتام کچھ بڑے۔ خیر کسی طرح لگائے گئے۔ ساری کی چنت ذرا زیادہ لے لی تھی اور اس سے آنچل کچھ چھوٹا پڑ گیا تھا۔ پھر بھی خوب بندھی تھی۔ ہم نے بتایا تو فوراً ٹھیک کر لی! بیرا (نوکر) دوکان سے نیا پمپ (جوڑا) لایا تو آتے ہی گھوم گیا کس کو دے؟ پہچانا نہیں! ایسی نے بھی نہیں پہچانا! چمکاری گئی بلائی گئی۔ نہیں آئی۔ پھولی ہوئی دور ہی بیٹھی رہی!

ماں نے کہا کہ "لے اب اٹھو۔ دیر ہو رہی ہے۔ مسز منا سا

کے یہاں اس وقت کھانا ہے۔ وہیں سے یہ لوگ رنک، جائینگے، کدھر گئے تمہارے باپ؟ بیرا ہانپتا ہوا پہنچا؛ "میم صاب (صاحبہ) رکشا تیار ہے"۔ سب کمرے سے نکلے، پسی بھی نکلی۔ سب چلے، پسی بھی چلی۔ ایک رکشا پر جاکر خود پہلے بیٹھ گئی۔ برسائی پہچان لی! فرحا، پہنچیں تو کود کر بھاگ گئی، اب بھی نہیں پہچانا۔ بیرا نے اسے گود میں اٹھالیا اور کمرے کی طرف لے چلا۔

شام تھی۔ ابر تھا۔ دھندھلکا ہو چلا تھا۔ ہوٹل بھر تو کرجا کر سب نکل آئے۔ جیسے کوئی تماشا تھا۔ کھڑے دیکھتے رہے، سواری چلی تو سب بھرے! آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ باورچی قریب تھا مگر ذرا ناک ہی بولتا تھا اس سے اچھی طرح بات سمجھ ہی نہیں آئی۔ ہم کو آتے دیکھا تو سب چپ ہو رہے۔ مہتر نے اور اکثر نوکروں نے نیجر کی ڈانٹ بھی سنی کہ "آج تم لوگ سارا کام کاج بھولے۔ کیوں؟" خانساماں دور جاکر ناک چڑھا کر بولا: "آج چھ بجے (شام) سے تو صاحب خود برآمدے میں ٹہل لگا رہے ہیں، دو مرتبہ حساب لے کر گئے بھی تو الٹ کے نہیں پوچھا۔ میرا کیا قصور!" . . . . . . مسز مناسا کے یہاں ہم بھی مدعو تھے۔ رنک میں بھی جانا تھا۔ چندہ تک دے چکے تھے۔ نہ جا سکے، کیوں؟ کیا بتائیں۔ دانتوں میں درد تھا!!

(۳)

آج رات ہم اکیلے پڑ گئے۔ کچھ کھالینا ضرور تھا۔ گئے تو

کھانے کے ہال میں سناٹا تھا۔ دروازے سے قریب ایک کرسی پر جا بیٹھے۔ شوربا ختم بھی نہ ہوا تھا کہ کل رات والا وہ جوان پہنچا اور سامنے والی کرسی پر آ بیٹھا۔ میرے لئے مچھلی آئی۔ انکار کر دیا، وہ جوان کھاتا رہا۔ صورت سے شریف معلوم ہوتا تھا۔ مونچھیں گھنی، لمبی، خم دار اور سیاہی مائل۔ سر کے بال خرمئی اور کچھ بڑھے ہوئے، ماتھا کشادہ۔ رنگت کھلتی ہوئی مگر چہرہ پژمردہ اور ٹھوڑی نکلی ہوئی، جگر کا فساد صورت سے ظاہر۔ اتنوں سے کم سن مگر دیکھنے میں مسن معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں شربتی اور جنون جیا آگئیں۔ نیچی نظریں کسی سوچ میں تھا۔ میں سمجھا کہ کوئی اطالین ہے، اور نفرت ہوئی ایفوکرٹن (گوشت) لایا (میں نے) کھایا نہیں، رہنے دیا۔ غالی ٹوسٹ ہی ٹونگتا رہا۔

گویا آدھا کھانا ہو چکا تھا کہ سونگھتے سونگھتے لیسی ادھر پہنچی اور دم سے میری گود میں، پھر عادت کے مطابق میز پر اپنی ابھی بیٹھی بھی نہ تھی کہ وہ جوان کھڑا ہو گیا۔ چھری ہاتھ میں لے لی۔ چہرہ تمتمایا۔ کان سرخ ہو گئے۔ سانس تیز ہوئی، آنکھیں ابل آئیں نتھنے بولنے لگے پیچھے ہٹا اور پیچھے ہٹا۔ چمچہ اٹھا کر لیسی کی طرف مارا (غالباً خوف یا گھبراہٹ میں) بول اٹھا، برو۔ برو۔ دور۔ دور۔ سگ صورت و خنزیر سیرت ہشی۔ ہشی مرا کشتی۔ لاحول ولا۔ امشب کہ مردیم۔ مردیم! اکالر کی طرف ہاتھ لے جا کر۔ "واویلا۔ وامصیبتا۔ خدایا چہ کنم۔ ہرگز نہ شد

بی (بے) ہر خر (گدھا) زندگی کنم" آواز بھر آئی۔ اونچی ہوئی، پھر گلوگیر ہو گئی۔ ہوٹل بھر دوڑا۔ ایک بھیڑ لگ گئی۔ سب ششدر حیران۔ سکتہ میں۔ میں خود سناٹے میں! ڈرا کہ جانگلو نہیں، بلی کو چھری نہ گھونپ مارے۔ خدمتگار سے کہنے ہی والا تھا کہ وہ خود اسے اٹھا کر لے بھاگا۔ تو وہ (شخص) ذرا دھیما ہوا، آدمی بنا۔ میرا ہیجان بھی کم ہوا!

قاعدہ ہے کہ خوشی، خوف اور گھبراہٹ میں بے اختیار انسان اپنی مادری زبان بول اٹھتا ہے۔ میں جسے کچھ اور سمجھے ہوئے تھا وہ ایرانی نکلا! ہم ہندوستانی کیسے ہی کچھ ہوں مگر اپنے ہم جنس کو پا کر رہ نہیں سکتے۔ دل کھنچنے ہی لگتا ہے تماشہ ہے۔ اس وقت کسی سے زیادہ آغا عزیز ہو رہا ہے اور وہ اب بیٹھا تو کچھ غوطہ میں چلا گیا۔ ہاتھ ماتھے پر اور بدن اب تک کانپ رہا تھا، مجھے واقعی رحم آ گیا۔ اور محض اس کی تسلی کی نظر سے پوچھا "آغا کجائی۔ کئی تشریف آوردید، ساعتے اینجا خیالِ قیام دارید؟" میرا اتنا کلام اور اس پر اس کی حالت۔ اُف۔ بے اختیار پھر کھڑا ہو گیا۔ میری طرف جھپٹا۔ میں سمجھا یہ مجھے بھی بلی سمجھ رہا ہے! میں پیچھے ہٹا۔ وہ اور بڑھا۔ لپٹ گیا رونے لگا۔ اور اپنی اس حرکت کی معافی مانگی۔ میں نے بہ نرمی کہا۔ معلوم ہوتا ہے آپ بلی سے ڈرتے ہیں! (سر جھکا کر) جواب دیا۔ "بلے آغا ہم چنین سخت تنفر ہم دارم۔ تنفر قلبی۔ چہ کنم

مجبورم۔ ہیہات۔ ہیہات۔ واللہ قابل دار ہستم“۔ پھر ذرا سہم کر ”مگر ہندی ہستید۔ مسلمان“؟ ہیں۔ ”بلے آغا۔ خادم شما ہستم“۔ وہ ”الحمد للہ۔ شکر کہ من پیش غیر خجالت نہ کشیدم۔“ پھر کہا۔ ”از بشرۂ سرکار شرافت ظاہر است۔ نظرِ ترحم و انصاف ہم دارید۔ محسنِ ما۔ آقائے ما۔ سرکارِ ما۔ حرفے دارم باید عرض بکنم“۔ میں۔ بفرمائید بشوق۔ فرصت ہم دارم۔ حالا ساعتِ نُہ است، برائے خواب خیلے زود است۔ بفرمائید۔ تالا، (ہال) خوب ست۔ تخلیہ ہم دارد۔“ آغا۔ ”اطاق (کمرہ) فقیر ہم وصل است۔ خوب جا دارد۔ خیلے کشادہ و قشنگ (عمدہ۔ نفیس) و مرغوب۔ بسم اللہ آنجا تشریف بہ بریم۔ می خواہم یک چائے (ایک پیالی چائے) بخورم۔ ابے مرزکہا کہ تو ہم می دہند یا آب گوشت! آغا مردِ مسلمان ہستید۔ از شما بوے وفا می آید۔ قصۂ ایں روسیاہ طویل ست۔ آغا۔ یک معرکہ ست۔ دیگر زندہ نیستم۔ واللہ از جامہ انسانیت گذشتہ ام۔ لا حول ولا خیر۔ عرض می کنم۔ بسم اللہ۔ بسم اللہ! آغا بڑھے۔ میں ساتھ ہو لیا کمرا بغل ہی میں تھا۔ پہنچے۔ انھوں نے نوکر کو پکارا۔ اور چائے کا حکم دیا۔

برسات کی چاندنی اور پھر وہ بھی پہاڑوں پر۔ ۵

عجب لطف تھا سیر مہتاب کا

کہیے تو کہ دریا تھا سیماب کا

اللہ اکبر! خدا ہر ایک کو نصیب کرے! اور آج بھی چاندنی
تھی! آغا کا کمرہ کیا موقع پر تھا۔ تین طرف سے کھلا ہوا۔ اور
ہر سمت کھڑکیاں اور دروازے آئینہ دار۔ کسی رخ پر بیٹھ
جائیے اور خلوت میں انجمن کا مزا پائیے۔ زمین اور آسمان میں
آج (گویا) چشمک تھی۔ یہاں دوالی وہاں شب برات!
سردی تھی اور دانتوں میں درد نہ ہوتا تو کھڑکیاں کھول کر
جی بھر کے ان خاک کے پتلوں اور ان آگ کے پتلوں (فرشتہ)
کی کاریگریاں اور تماشے دیکھتا۔ اس پر بھی محو ہی تھا۔ آغا نے
ٹوکا۔ کرسی بڑھائی تو چونکا۔

آغا پھر اٹھا۔ نوکر کو آواز دی اور کمرے کی دوسری بجلی
بھی جلا دی۔ میں سمجھا بہارِ نجم، نکلے گی۔ اپنا احوال سنائیں گے
وہاں ڈنڈا سنبھالا گیا۔ اور ہشت ہشت، کر کے کمرے کا کونا کونا
چپہ چپہ دیکھا بھالا گیا۔ بکس ہٹا ہٹا کے۔ جھانک جھانک کے
دیکھا۔ الماری کھولی۔ بند کی۔ اس کی چھت ڈنڈے سے
کھٹ کھٹائی۔ میز کا دراز کھینچا۔ بند کیا۔ غسل خانہ بھی خوب بسا
دیکھ آئے۔ جھاڑ آئے۔ اطمینان نہ ہوا۔ اس کڑی منزل سے
پلٹے تو نوکر کو حکم دیا گیا۔ "کمبل اٹھا کے، خوب جھاڑ کے دیکھو۔"
اس نے ہنس کے کہا۔ "نہیں آغا صاحب۔ یہاں بلی کہاں۔"
اس طرح جائزہ لیا جا چکا تو ڈنڈا فرش پر مارتے ہوئے دروازے
تک پہنچے۔ خوب مضبوطی سے اسے بند کیا۔ آزما بھی لیا کہ کہیں

کھل تو نہیں جائے گا۔ اس مہم سے بھی فراغت ہوئی۔ نجنت ہو لئے
تو تشریف لائے۔ بیٹھے۔ مگر سانس اکھڑی ہوئی! میرا مارے
ہنسی کے برا حال۔ مگر خیر کسی طرح دانتوں پر دانت جمائے
رہا۔ اللہ نے آبرو رکھ لی!

میرا خیال تھا کہ ہم ہندوستانیوں کے سوا کسی میں یہ
قدرت نہیں کہ غیر زبان رواں اور مزے میں بول سکے۔ مگر
آغا اس میں بھی طاق نکلا! مجھ سے اردو میں باتیں شروع کیں،
تو تعجب ہوا۔ پوچھا تو کہا کہ ہندوستان میں کل چھ مہینے گذرے
ہیں۔ اور تعجب ہوا! آغا کچھ دیر چپ اور غوطہ میں رہا۔ میں نے
عرض کیا کہ "انتشار نہ کیجئے۔ غلیل۔ طپنچہ۔ بندوق۔ توپ
سب کچھ حاضر ہے۔ کوئی آنچ خدا نہ کرے آئی تو چاند ماری
بنادی جائے گی۔" نہیں آغا وو (وہ) خیال نہیں۔ از زمین جرفہا
واز آسمن (آسمان) گلہا دارم! برائے چہ آخر زندہ ام؟ واللہ
خود نمی دانم! آغا شما ہمدرد ما ہستید۔ عرض می کنم قصہ پر غصۂ ما
بخدائے لایزال وو (وہ) ہم کو کبھی (کبھی) نہیں بخشنے گی! گنہگارم
آغا۔ واللہ شرمندہ ام۔ آغا! از کی؟ از خویش و اقربا۔
از زمین و آسمن؟ نہ۔ نہ! مگر از لیلائے من۔ مگر از دل من۔ مگر
از جون (جان) من۔ مگر از روح من۔ یہ کہتے کہتے آغا کے چہرے
پر مردنی سی چھاگئی۔ میں نے کرسی اور بڑھائی۔ ہاتھ میں ہاتھ
لے لیا۔ اور تسلی تشفی دی۔ اس کا دل ذرا ٹھہرا تو اپنے

داستان یوں شروع کی۔

(۴)

آغا کا اردو فارسی آموز طلوع ہمیان اینتاریخ ۲۷ رجون ۱۹۱۲ء۔ بوقت شب عجم سے (اردو بہ) یورپ

"در زمانہ ناصر الدین شاہ (ایران) آقا[۱] بسیار از مقربین و امرائے سلطنت دل برخواستہ ہوکر غیر ممالک میں مقیم ہو گئے۔ نظام الملک عموے این بدنصیب ہم ہمیں طور سفر حج کا بہانہ کرکے فرانسہ (فرانس) چلا گیا۔ عموے مرحوم فارغ البال و دولتمند تھا۔ قریب ۲۸ لک روپیہ اس کا بانک (بنک) پاریس (پیرس) دو بانہ میں جمع تھا۔ وو (وہ) لاولد تھا۔ تلگراف (تار) دے کر ہم کو پاریس بلا لیا"۔

"وہاں آقا ایک ایرانی نژاد یہودی تھا۔ بیسیو (مسٹر) سولمن نام۔ خیلے زرنگ بود۔ اعمو نظام الملک کو ترغیب دیکر یک خیلے بزرگ مہمن (مہمان) سرائے (ہوٹل) اس نے وہاں ترتیب دیا۔ آقا وو مہمن سرا تا حال موجود ہے۔ وو (وہ) اس درجہ مشہور و معروف ہوا کہ تمامی امرا و شاہزادگان دنیا اس میں فروکش ہوتے تھے۔ سولمن آقا اس کا منیجر تھا۔ قریب شش سال عموے مرحوم زندہ رہا وہ اس ہوٹل سے واقعی

---

[۱] آقا، آغا کا سخن تکیہ تھا۔

نفع کثیر حاصل کیا۔ نظام الملک کو آغا باز پالنے کا بیحد شوق
تھا۔ پاریس میں بھی اس کے پاس ایک نایاب باز تھا
یک روز اتفاق دنیو (دیکھو) غموا سے بحفاظت قفس (پنجرا)
بند کرکے خانہ سے باہر گیا۔ واپس آیا تو کمرے میں جاکر دیکا
(دیکھا) کہ یک گربہ حرامزادہ خیلے فربہ و تنومند مثل یک گرگ
باران (باراں) دیدہ بفراغت آنجا نشستہ اس کو نوش کر رہا
ہے آغا۔ نظام الملک اسی وقت گویا مر گیا۔ بندہ تاب نہیں
لایا۔ اُف۔ فی الفور از طپانچہ ہلاک کردم اُن پدر نامرد را فرصت
لاکن از ایں شکار ہم چہ سود؟ غموی بیچارہ بعد از دو روز از ایں
صدمہ ہلاک شدند (ٹھنڈی سانس نے کر) رحم اللہ علیہ۔ لاحول
ولا۔ تف۔ بریں دنیائے ناپائیدار اخیر آغا۔ گربہ سے تنفر
و غصہ کی یہی یک وجہ نہیں۔ آغا مرد مسلمان ہستید۔ واللہ از
شما بوئے وفا می آید۔ آقائے من۔ ہمدردِ من! ہمارا قصہ ہنوز
(ذلی) دور ست۔ می گویم۔ عرض می کنم۔ خیر۔"
"آقا ہنوز ہم طفل مکتب تھے۔ از نشیب و فراز و چال
بازی و مکر و فریبِ دنیا تا حال نابلد بودم۔ میسیو سائلین
نے ہم کو آغا باغ سبز دکھایا۔ تمامی نعمت ہائے دنیا برائے
ما فراہم آور دو ہم غافل ہو گئے۔ بعد از چند روز تو (وہ)
یک کاغذ لایا و ہم سے اس پہ دستخط کرالیا۔ سہ سال بعد
آقا معلوم ہوا کہ اس نے جال بنایا اور ہم کو بالکل لاحق کر دیا ہے

ہم ناچار۔ مجبور۔ غریب الوطن۔ بے یار و آشنا کیا کرتے۔ بخدا سپردم و صبر کردم و قسمت پر شاکر رہے۔ آغا۔!"

"یک شب آقا ہم یک پر زور قصیدہ نظم کر رہے تھے۔ بعد چند شعر طبیعت قدرے خستہ ہوئی و اُسی فکر میں ہم جا ہم سو گئے کہ در رؤیا یک گربہ۔ نر۔ را دیدم خیلے قوی ہیکل و سیاہ رنگ۔ بدرو۔ مثل خنزیر بر می آید!۔ آمد۔ آمد۔ تا قرب بر فرشِ خواب ما آمد۔ حواسم رفت۔ رفت۔ آوازم گرفت۔ (گھگھی بندھ گئی!) و بے حس و حرکت شدم۔ مردہ۔ واللہ مردہ! دیدم کہ یک مرتبہ خبیث جَست می کند۔ جَست۔ مثلِ یک شیرِ نر صحرائی! ایک مرتبہ حملہ کرد ملعون و حلقومم را گرفت! (ٹیٹو الیا) اناللہ وانا الیہ راجعون! زور کرد۔ زور کرد۔ فشار داد! دریں اثنا دفعتہً بیدار شدم۔ دیدم آقا کہ چیزے خیلے سنگین روئے سینۂ ما نزد گلو حبل الورید (شہرگ) نشستہ ست۔ بحضرتِ عباس روحم یک مرتبہ وداع گفت و سرد شدم (ٹھنڈے ہو گئے)"!

"لاکن قربانِ بزرگی داورِ دادرس! ایک مرتبہ خدا ہمت و حواس ما را جمع آورد۔ شیر شدم آقا و گرفتم خبیث را از دستہا مضبوط۔ خیلے مضبوط و انداختیم ملعون را توے فرش خواب۔ دور! آواز مہیب و عجیب پیدا شد۔ من ہم جستم و صدا کردم۔ نوکرہا را آواز دادم! ایک مرتبہ دیدم خبیث در پہلوے الماری

بالشتہ ست گربہ مسکیں۔ حرامزادہ! (ڈنڈا ڈنڈا) گرفتم آغا۔ ڈنڈا۔ ہمیں کہ در دستِ مامی بینی! از غم و غصہ بی حال بودم۔ نشانہ کردم خبیث را و زدم۔ زدم۔ زدم تا دستہاے من کار کرد۔ خیال کردم کہ مرد۔ قدرے آسودہ شدم (ذرا آدمی بنے!) شکر رفت بلا۔ الحمد للہ دشمن خود را کشتم۔ ایک مرتبہ بچہ (نوکر) آمد و شمع دان آورد۔ گفتم۔ ہی! ای بینی کہ بہ را؟ قیامت آمدہ بود و ے گذشت خیر۔ حالا مردہ است ملعون! بردار۔ بہ بر (اٹھائے جا پھینک) اطاقِ مارا پاک و صاف کن از ایں چیز نجس و مکروہ! بچہ میرود نزد ان خبیث بہ تامل نظر می کند۔ یک مرتبہ فریاد می دہد۔ آقا ایں گربہ کہ نیست! اینہ العنت کند ترا۔ آ۔ آ۔ آخر چیست؟ دوبارہ نظر می کند۔ وی گوید۔ آقا ایں متکا ست (تکیہ) شب در پہلوئے شما بود! ہی کور ختیم۔ بدبخت۔ می آیم و ببینم۔ چراغ باور کردم آقا۔ نزدیک تر رفتم و نظر کردم۔ واقعی متکائے ما بود۔ لاحول ولا۔ خیر۔ آغا سپیدہ صبح آشکار اشد و من تہیہ نماز کردم"!

"دن ہوا آقا بر سرِ نہار بودم (ابھی کھانا کھا رہے تھے) کہ یک آدم عدالت پیدا شد و کاغذے آورد۔ لیا آغا۔ ای واویلا۔ سوگلمن صاحب نوتیس (نوٹس) فرستادہ است ما می گوید۔ خانۂ نظام الملک سے فی الفور نکل جاؤ۔ یا کرایہ دو۔ وو دوہ) مکان حالا مال ہوٹل شدہ! آقا۔ بے اختیار گریستم

رو وئے) و فریاد کردم خوابم باز آمد و روحِ نظام الملک پیش ما بود۔ چارہ نداشتم۔ آخر پیش سوکمن حاضر ہوئے آقا و عرض کردم کہ۔ عموئے مرحوم دوست قلبی شما بود و من فرزندِ اجب الرحم مرحوم۔ برائے خدا نظرکن برحالِ من خستہ دل۔ للہ رحم بفرما۔ سوکمن آقا خموش رہا و بعد کو بولا۔ بہتر فردا بہ آئید! ہم فردا (دوسرے دن) حاضر ہوئے اس نے نہایت خشمناک لہجہ میں ہم سے پوچھا، تم نے از ہنر ہائے دنیا کیا حاصل کیا ہے؟
"آقا۔ میرا باپ مرحوم ادیب الملک ایون (ایران) میں بے مثل شاعر و ادیب تھا۔ اس کے قصائد و غزلیات تا حال وہاں مشہور و معروف ہیں۔ ہمارے خاندان میں شعر و شاعری سے زیادہ کبھی کوئی چیز عزیز نہیں رہی! والدِ مرحوم کا جملہ اربابِ ادب و انشا و اُمرا اور رؤسا و علمار و فضلا ادب کرتے تھے۔ و موقع شادی و غم میں ہمیشہ تاریخ اسی سے نظم و تصنیف کراتے تھے۔ صدہا مصرعہ ہائے تاریخ والدِ مرحوم تا حال زبان زدِ خلایق ہے! اگا ہے تشریف بہ برید انشاء اللہ بہ طہران (طہران) وی روید بمقبرہ بابرائے زیارت و فاتحہ۔ می بینید تاریخہائے مرحوم بر سرِ الواحِ قبرہا۔ خبر آقا۔ والد نے از ابتدا ہم کو اسی شعر و شاعری کی تعلیم دی۔ نہ سال کی عمر میں ہم کو

---

۱ معلوم ہوتا ہے کہ ادیب الملک نے عمر بھی اچھی پائی۔ الہٰی عمرِ آغا ہم دراز باد!

آقا قصائدِ انوری و خاقانی از بر تھے۔ قاآنی کا ہمارے زمانے میں بسیار شہرہ تھا۔ والدِ مرحوم نے یک خاص معلم رکھکر قاآنی کی ہم کو تعلیم دلوائی۔ و بسیار جلد ہم رنگ قاآنی میں ایسے قصائد انشا کرنے لگے کہ تمامی ہمعصر حیرت و رشک کرتے تھے۔ ذوق و شوق شاعری بلکہ عشق از ایں تیلی ہم کو آقا فطری ہے۔ بارہا دو چار صدا اے۔ بہ۔ بہ۔ بہ چہ خوش گفت۔ مرحبا۔ ماشاءاللہ۔ احسنت احسنت۔ کے واسطے ہم نے آقا متعدد شب بیداری و شعر گوئی میں گزاردی۔ و گاہے خستہ نہ شدم۔ واللہ!

والدِ مرحوم آقا یک مرد شاعر بود۔ جو کچھ زر و مال و متاع اس کے پاس تھا و (وہ) سب راہِ شاعری میں قربان کیا۔ اس کو اپنے یک شعرِ قصیدہ کے سامنے (آگے) آقا دولتِ قارُن (قارون) ہیچ بود! و (وہ) مرحوم ہوا تو ہم گویا یک فرزند فقیرے شدم۔ آقا خدا بہ آمرزد نظام الملک را اُس نے سرپرستی کی و ہم کو فرزند گردانا (بنالیا)۔ خیر آقا۔ پارس پہونچ کر بھی ہم اپنے شغل میں مستغرق رہے۔ گاہے اس کو فراموش نہیں کیا۔ نظام الملک ہر چند مُصر بود کہ میں زبانِ فرانسہ کا عالم بنوں۔ یا کم از کم تحریراً و تقریراً اس میں ماہر ہو جاؤں۔ لاکن آقا ہر چیز پیشِ شاعری و معشوقِ حقیقی من ہیچ! و کیوں کر میں اس سے دست کش ہو سکتا تھا۔ در آنحالیکہ اب میں ہی صرف اس کا پرستار و نگہبان باقی

رہ گیا ہوں۔ ع درحصۂ من آمدہ لیلائے شاعری! اگاہے آغا من بدیگر فضولیات رخ نہ کردم و ہمہ تن اسی میں منہمک رہا۔ درمدتِ دو سال شش قصائد غرا ہم رنگ و ہم وزن قاآنی نظم کردم۔ آقا یاد دارید مطلع قاآنی را؟ چہ خوش گفتہ ست۔ بَہ۔ بَہ! ع

بہار آمد کہ از گلبن ہمیں بانگ ہزار آید

آقا من ہم زورِ طبیعت صرف کردم خوب گفتم۔ واللہ۔ فرستادم بہ ایرن (ایران) ہمہ دوست و آشنا۔ نَہ۔ ہمہ بزرگاں و آقایاں وجد کردند۔ وجد۔ واقعی اہلِ ایرن متحیر بودند۔ متعجب کہ آغا طاہر درایں کودکی غضب کرد ست (کردہ است) واللہ گویا قاآنی زندہ شد ست (شدہ است)"

آقا۔ من بایں جور (طرح) منہمک درکارِ خود بودم کہ دیگر کارہائے دین و دنیا را گاہے یاد نہ آوردم! آقا من یک مثنوی لیلیٰ و مجنوں ہم نظم کردہ بودم۔ یک روز (حسب اتفاق) نظام الملک خبر یافت و طلب کرد مرا۔ فرمود۔ بابا عجب ہیچ کارہ شدہ ئی۔ نہ پیشِ من می آئی۔ نہ گاہے حساب و کتابِ ہوتل را می بینی۔ تو کہ شاید دیوانہ شدئی! شنیدم یک مثنوی لیلیٰ و مجنوں ترتیب دادہ ئی و بر آں فخر ہم می کنی۔ حیف! لاحول ولا۔ درایں زماں آں جور۔ (طور) نظم بازی و بیہودہ سری و مثنوی لیلیٰ مجنوں! تو کہ تاحال نہ زبان فرانسہ۔ کہ کلید

ہر گونہ دانش ست، یاد گرفتی۔ و نہ از دیگر ہنر ہائے دنیا
چیزے بہرہ حاصل کردی! فرزندمن۔ افسوس دنیائے تو ہم
مثل ملا ہائے ایرن (ایران)، ہنوز بر پشت گاو ماہی ست!
طاہر بیانداز ان (ایں) قصۂ پارینہ را۔ بابا۔ ع
ایں دفتر بی معنی غرق مئے ناب اولیٰ

"آقا۔ من ہیچ جواب ندادم۔ با سرِ خمیدہ استادہ بودم
چند ورق مسودہ مثنوی مذکور در پاکت (جیب) ما اتفاقاً
حاضر بود۔ من پیش مرحوم گزاشتم و فرار کردم! عموں صبح
مرا طلبید و فرمود۔ الولد سر لابیہ۔ ملاحظہ کردم مسودائے
ترا۔ خیر اعلیٰحضرت شاہنشاہ مظفر الدین تشریف می آرند۔
بہ پاریس۔ من ترا حاضرِ خدمت اعلیٰ حضرت می کنم۔ با ایں۔
مثنوی! مگر بابا برائے خدا نظر کن بر حالِ خود لِلّٰہ۔ قدرے
باریک، بشنود ذرا غور کرو)!! مگر قسمت یا نصیب۔ اس کے
ایک ہی ہفتہ بعد نظام الملک بی چارہ مرحوم شدند و
من آوارہ شدم"!!

"آقا۔ تامل بفرما۔ نظر کن بر حالِ ما۔ مسیو سولمن ہم
سے پوچھتا ہے کہ۔ از ہنر ہائے دنیا چہ یاد گرفتی؟" ہم نے
برجستہ جواب دیا آقا۔ من۔ من شاعر ہستم! شاعر پر ہنر و پرگو
و نکتہ سنج۔ فصیح اللسان و شیریں زبان و نازک بیان!
رشکِ فردوسی و قاآنی! ہنم کہ ہیولاء مجسم کردم۔ روح بخشیدم

برہنہ بود لباس نورانی عطا فرمودم۔ ؎

عیسیٰ منم کہ روح بہ بخشم بہ مردہ شعر!
مارا لقب نہند مسیحائے شاعری

شاگرد رحمٰن ہستم لاکن کار استاد میکنم و دیگر چہ می خواہی ؟ غیر از شاعری ہنر ہا کہ ہیچ!!

"آقا۔ اس پر وہ متبسم ہوا اور بولا۔ بلے خوب گفتی۔ میدانم اَلشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ۱۔ وَاِنَّهُمْ فِی کُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْن آقا ایں حرف مرا خیلے بدگذشت۔ سکوت کردم۔ جواب جاہلان باشد خموشی! (وہ) پھر بولا آغا طاہر ہم تم کو طفلی سے جانتے ہیں۔ ادیب الملک میرا دوست تھا و نظام الملک محسن۔ تم اگر آسودہ حال رہنا چاہتے ہو تو اس ہوٹل میں رہو۔ ہم تم کو دو صد۲ روپے ماہوار کی جا دیتے ہیں۔ کل سے آؤ۔ باباکل حساب و کتاب اس کا تمہارے ہاتھ میں رہے گا۔ ہوٹل خوب حساب رکھتا ہے۔ یک دو کمرا تمہارے واسطے مخصوص کر دیا جائے گا صبح ساعت نہ سے آفیس (آفس) میں آؤ۔ بابا محنت کرو! کام سیکو (سیکھو) شب کو فراغت حاصل ہوگی۔ آرام کرو۔"

۱ قرآن مجید کی آیت ہے۔ مطلب شعرا کی تقلید میں گمراہ کیا کرتی ہیں۔ اور وہ اپنے خیالی میدان میں حیران و سرگرداں مارے مارے پھرتے ہیں!

"آقا۔ واللہ او قاتم تلخ شد۔ ہیچ جواب ندادم۔ بغیراز خدا حافظی برگشتم بخیال کردم آغا کہ ایں مرد یہودی۔ غاصب حرام خور۔ قاتل الانبیامی خواہد بکشد مرا۔ ظاہر وایں کارہائے نجس۔ شاعر و نظمِ دنیا و ہوٹل۔ آزاد و نوکری۔ شاگرد رحمٰن و ہاتھی یک مردِ کافر بے ایمان! از صبح الیٰ شب اگر من بایں جور (طرح) دراں (ایں) کارہائے فضول و لایعنی اوقاتِ خود را تلخ می کنم۔ شاعری و معشوقِ حقیقی خود را بکدام می سپارم؟

ہاتفِ غیبی مرا ندادادہ ہے

وقتے کہ آدم بجہاں گفت جبرئیل!
خالی ست از برائے تو خود جائے شاعری

وحالاں (ایں) معشوق فریفتہ عاشق خود ست انہ واللہ! نخواہم گذار۔ آخر فرزندِ اذیب الملک ہستم۔ وزنِ یک شعر طاہر گران ست بر ہمہ ان (ایں) دولت ہائے چند روزہ پاریس!

دُآغا۔ ہم مکان چلے آئے۔ دو ہفتہ بعد زبردستی خانۂ نظام الملک ہم سے چھن (چھن) گیا! و آوارہ و دربدر شدم! کسے جا نداد۔ حیران سرگردان (سرگرداں) کسی طرح چند روز گذار آغا۔ نوبت بہ فاقہ کشی رسید۔ آقا۔ تصور۔ بفرما فرزندِ نظام الملک کہ از دستِ خویش لکھا صرف کردہ امروز کوچہ بکوچہ میرود۔ حالا سائل شدست۔ دستِ سوال دراز

می کنند و کسے جواب نمی دہد۔ بہ بین (بہ بیں) تفاوت! اللہ اکبر!
آقا ہم مجبور ہوے و آخر پیش مسٹوکین حاضر شدم و عرض حال کردم
و و (وہ) خموش رہا بعد کو وہی کہا جو قبل کہہ چکا تھا۔ آقا اب
ہم کیا کرتے؟ ناچار۔ مجبوراً دھکے مار کے، قبول کیا و در
ہوتل جا گرفتم و قدرے آسودہ حال شدم!

آغا اور منّو

"آقا وہ ماہ جنوری تھا۔ فروری و مارچ دو ماہ الحمد للہ
خوش گذشت قدرے از احوال دنیا ہم آشنا شدہ بودم۔
ہم عرض کر چکے ہیں کہ وو (وہ) ہوٹل خیلے بزرگ مثل یک بہشت
تازہ برزمن (زمین) بود نعمات و تکلفات گوناگوں برائے
مہمانان فراہم آوردہ بودند۔ از ماہِ مارچ سیاحانِ دنیا
می آمدند در پاریس و اقامت می کردند در اِن (ایں) ہوتل۔
ایں کیست۔ آغا؟ بابا اِن (ایں) زن یک امیر کبیر امریکائیت
دیروز کی مہمان شدہ؟ دخترِ ڈیوک آف اِدمبرا! اِن ٹلگراف۔
از کجا آمدہ؟ از ہندوستان مہاراجہ برودہ از بامبئی (بمبئی)
حرکت کردہ۔ می آیند! خیر۔ دیشب دو اطاق (کمرہ) مخصوص
کہ کرایہ کردہ ست، اِن کیست' آغا؟ نشناسی۔
(نمی شناسی) عجیب! مسٹر آغا خون (خان) ست در لندن بود۔
حالا بپاریس آمدہ برائے تفرج و سیر و عیش و نشاط،

خوب نیسیو سولمن امروز چرا بر مونو کار خود استا سون (اسٹیشن) رفتہ ست۔ چہ کار دارد؟ نمی دانی۔ عجیب اجندیو مھیر دو لیعہد دولت زاپون (جیپان) ہر دو تشریف می آرند سولمن برائے استقبال رفت ست! (رفتہ است)"

"غرض آقا ہم کیا عرض کریں۔ روز و شب اس ہوتل کا یہی نقشہ تھا۔ کسی وقت فرصت نہیں، آرام نہیں۔ تخلیہ نہیں کہ یک دو شعر موزوں کر سکوں! آقا یہ پھر غنیمت تھا۔ مگر جب کہ ماہِ مائی (مئی) آیا۔ اف۔ آقا واقعی بی دبے، حال بودم۔ یک مرتبہ ۳۰ درجن خواتین امرائے کبارِ دنیا مثل مرغابی ہائے رنگین و مختلف اللون کہ در کنار یک تالاب جمع می شوند در اِن (ایں) ہوتل جا گرفتند (گھسیں) آقا اِن زنہار شوقِ عجیب و غریب تی داشتند۔ ہمہ یک جانور مثل فرزند نرینہ خرد سالہ در بغل خود می گذاشتند! ملاحظہ بفرمائید۔ تامل بکنید۔ یک دختر (صاحبزادی!) امریکائی خرسے (بھالو)، ہمراہ خود آوردست (آوردہ است) قدش برابر انس (انسان)۔ فربہ و عجیب۔ بازوش مثل ما۔ بابا کیو جب (بالشت بھر کی!) کلائی! راہ میرو ذبامتانت و خود داری و آہستگی مثل لاردہائے انگلستان! دختر اور ا خیلے دوست میدارد۔ در اطاق (کمرہ) خود۔ نہ۔ در پہلوے خود جا داد ست (دادہ است) ۲۰۰ لیرا (پونڈ) روزانہ میدہد برائے خوراک ان

خبیثِ مکروہ! دیگرے را سگیست (دوسری صاحبزادی پاس ایک کتا ہے)، واشد سگ ست یا یک پہلوانِ حبشی، خبگلی بلند قامت و فربہ و قوی ہیکل، و سیاہ رنگ! میگویند دختر در عشق ان (اس)، سگ دیوانہ شد ست (شدہ است)، حالا ناساز بود در اسکات لینڈ۔ برائے تبدیلِ آب و ہوا۔ و علاج و تفریح و تماشائے اِن سگ محبوب (دختر) بہ پاریس آمدہ۔ فرداد وکتر (ڈاکٹر) مخصوص می آید و علاج میکند۔!

"خیر۔ ازان دو مادم (میڈم) صرفِ نظر کن آقا۔ حالا بہ بینید۔ و ائینہ سے کل یک مادم آئی ہے اس کے ساتھ یک چچوندر (چھچھوندر۔ موشکور) ہے آغا! نر! ہم کیا عرض کریں کمبخت پروانہ ہے اس کی ابریشم کا فرغل اس کے لئے تیار ہوا ہے! یک آدم مخصوص اس کے واسطے ہمہ وقت حاضر رہتا ہے۔ آبِ گرم وصابون سے روزانہ اسے غسل دیا جاتا ہے۔ غازہ۔ پودر اس پر مالش ہوتا ہے آغا ایک بری (بڑی) بی کے ساتھ نیو لا (موش خرما) ہے آغا اس کے گلے میں جواہر نگار زنجیر ہے! دو (وہ) ناچتا ہے رقص کرتا ہے۔ یہ کمبخت زنِ شصت سالہ بھی ہمراہ اومثل بچہ ہا گردش کرتی ہے! ایک زن از ہندوستان تازہ آمد است (آمدہ است) میگویند کسی جا کی مہارانی ہے۔ آقا۔ گلبیری (گلہری، موش سلطانی) اس کے ساتھ۔ گلو۔ اس کا لقب ہے اس کے شانہ و دوش پر ہمہ وقت سوار رہتی ہے۔ در زلف

درمرض سوئے ہضم مبتلا شد! دختر بد جواس کے ساتھ گویا خود بیمار ہو گئی۔ مسیو سولمن کو اس خاتون (عورت) نے رقعہ لکھا کہ یہاں جو بہترین دوکتر جانورن (جانوروں) ہو اس کو فوراً طلب کرو۔ سولمن نے ہم کو حکم دیا کہ دوکتر لاؤ ہم گئے آغا گئے۔ گئے۔ دوکتر لائے۔ وہمراہ دوکتر اس زن کے اطاق (کمرہ) میں بھی جانا ہوا (پڑا!) اف! دو اطاق آغا خیلے آراستہ وپیراستہ بود۔ در و دیوار و سقف و فرش ہمہ آقا بلوری تھی۔ بلاشبہ حضرتِ سلیمان کا وہ آئینہ خانہ تھا جس میں بلقیس کو مہمان کیا تھا۔ خیر۔ ہم اندر گئے۔ گربہ برتخت (مسہری) خواب دراز کشیدہ بود۔ وزن در پہلوئے او نشستہ بار بار گردن نیچی کر کے اس کو دیکتی (دیکھتی) و آواز دیتی (پکارتی) تھی!!

"ہم کو آغا بے حد تنفر ہوا۔ ہم تحمل۔ تاب نہیں لائے۔ فوراً اس طرف سے رخ (منہ) پھیر لیا۔ لاحول ولا۔ در آئینہ پیش ما ہمن (ہماں) منو بود! یکبار طرف راست نظر کردم۔ یا اللہ ہمن (ہماں) منو ست فی الفور چپ نظر انداختم تو بہ ہمن منو ست! آخر ہم نے نظر طرف فرش کر لی۔ (نظر نیچی کر لی!) استغفر اللہ ہمن (ہماں) را دیدم۔ بعجلت طرف سقف متوجہ شدم! یا للعجب۔ اف۔ انجا ہم منو را زیارت کردم!! آقا۔ آگے منو۔ پیچھے منو۔ دہنے منو۔ بائیں منو۔

نہ ۔ نہ ۔ چہ میگوینددر ہند؟ جو جو ۔ فراموش کردم! ہاں ۔ ہاں یادم آمد ۔ جورہ (جوڑہ) جورہ (جوڑا) جورہ ہیں اس کے ۔ گھر ہے اس کا!! غرض ہوتل ما واقعی (اچھا خاصہ) یک وحش خانہ (رمنہ ۔ زو) تھا آقا!"

ان سب جانورن کو خیر ہم کسی طرح برداشت کر لیتے تھے گو بہ کراہت! مگر آقا ہم کیا عرض کریں کہ یک دختر بلڑیک (بلجیم) کا محبوب یک گربہ، نر، تھا آقا! بسیار موٹا ۔ تازہ ۔ چربی دار ۔ وزیں ۔ کمتر از دہ سیر نبود ۔ منو ۔ نام! دو سیر گوشت بط تازہ یک وقت حرامزادہ تنہا کھا جاتا تھا! اس کے واسطے بط مخصوص روزانہ مارکیت (مارکٹ) سے تازہ آتی تھی ۔ ان زن خبیث اپنے رقعہ کے ہمراہ قبل اس کو دوکتر (ڈاکٹر) پاس معائنہ کے واسطے بھیجتی تھی و دپھر خود ایستادہ ہوکر اپنے روبرو کمبخت اسے وہ (وہ) گوشت نوش کراتی تھی! وہ (وہ) زن آقا خیلے امیر بود ۔ مسیو سو کمن ہمہ وقت اس کی خوشامد کرتا رہتا تھا ۔ و آقا ہم کو حکم تھا کہ جملہ (سب) کام ترک کر کے جب وہ بط نوش کرے ۔ تم حاضر رہا کرو! آقا ۔ بندگی و بی دبلے، جا رگی کیا کرتے ۔ ہم کسی طرح حاضر رہا کرتے تھے! مگر کس طرح؟ پشت اس کی (منو) طرف الاکن ہوشیار کہ اُن زن خبیث دیکھیں، نہیں لے!"

"دیگر یک روز آغا من سردار بودم ۔ واللہ ۔ منو ۔ حرامزادہ

اوپر منو۔ نیچے منو۔ ہم کدھر جائیں آغا؟ مجبور شدم۔ ہلاک شدم۔ زندہ در گور بودم۔ آخر آغا۔ ہم نے بسیار (بہت) زور سے چشمہائے خود را بند کردم! (آنکھیں زور سے بھینچ لیں) قریب نصف ساعت ہمیں جور (طور) ایستادہ بودم! زور سے چشمہا بند کر لینے سے رگہائے جبیں و مغز سر ما در فشار بودند آخر آغا۔ سر میں کمال شدت کا درد ہو گیا۔ چکر بھی آنے لگا۔ خدا خدا کر کے دوکتر کو فراغت ہوئی۔ بست لیرا (پونڈ) اپنی فیس لیکر وو (وہ) اطاق سے نکلا! مگر ہم نے کیا پایا آغا؟ چہ چیز من یافتم؟ ہم کو جو ملا آقا وہ عرض میکنم۔ شما کہ ہمدرد من ہستید۔ مہربانِ من ہستید۔ میگویم میگویم۔ عرض می کنم انشاءاللہ!"

"آقا۔ طاہر شما کہ شاعر و شاعر فطری ست۔ ہم مرتبہ فردوسی و قاآنی! ملاحظہ فرمودید حالِ خادمِ خود را؟ در عوض فکر شعر چہ سودا ہا برائے ان بی چارہ فراہم شد ست (شدہ است)۔ آقا! ہم کو واقعی جانورن (جانوروں) سے نفرت ہے۔ گاہے شوقِ بلبل و باز ہم نہ کردم۔ متحیر مشو۔ اسپ چہ؟ اسپِ تازی را ہم دوست ندارم! وجہ میرسد بہ اولاق و خر و قاطر (خچر)۔ آقا۔ اس ہوتل میں رہ کر جانورن سے ہم کو اور نفرت زیادہ ہو گئی۔ اور مخصوص منو، کے ساتھ (سے)، خیالِ منو جب گاہے گاہے وقت طعام یادم آمدہ۔ بس۔ فرصت۔ طعام ختم۔ دست کشیدم۔

وصدبار کلی کردم۔"

"آقا۔ لاکن اس سے آپ یہ نہ سمجھئے کہ طاہر بزدل و بسیار ترسندا ہے۔ لا واللہ! آقا غا لبّاً نبی (بے) خبر نیستید، از حکایت ہائے لا دراں برتش۔ اس کو کون (کچھ) کہہ سکتا ہے؟ کس کی مجال ہے کہ اس کو بزدل لقب دیدے! لاکن گربہ، و لو مادہ۔ جب اس کے روبرو آجاتا ہے تو پھر وہ (وہ) از جامۂ انسانیت و آدمیت میگذشت۔ کود کے آغا دور باگ (بھاگ) جاتا ہے۔ او طاہر تو گربہ کو دیک (دیکھ) کر خالی اپنا دَنداں پر دَندان (دانت) رکھ کر زور سے جما دیتا ہے۔ فرار نہیں کرتا۔ بلکہ مقابلہ کرتا ہے۔ خالی مقابلہ نہیں۔ واللہ اس کو کشتہ کرنے کا قصد ہم (بھی) کرتا ہے! من عرض می کنم۔ حالا حکایت شروع می شود۔"

"مگر آقا یہ امرِ واقعی ہے کہ ان جانور عجیب منحوس و بدصورت ہے۔ و برائے ما نحوستش بارہا ظاہر و باہر شدہ۔ آقا بادلفرمائید قصۂ عموی نظام الملک را! و البتہ فراموش نکردید (نکردہ اید) خواب پر ہولِ ان طاہر ستم رسیدہ (را) من مظلوم کشتہ گربہ ہا ہستم۔ وخصوصاً ان نجس و ناپاک و بدصورت منحوس! اخیر آقا قصۂ ما تا حال ختم نہ شدہ۔ مختصر نیست خیلے طول دارد۔ شما کہ صاحب رحم و انصاف ہستید۔ عرض می کنم برائے حضرت عالی ملتفت ہستید آغا"؟

یک روز حسب الحکم سبو سولن آقا ہم غافل اپنا حساب
دکتاب درست کرتے تھے (کر رہے تھے) اس کے حضور (سامنے)
بکار پیش کرنا تھا۔ واقعی خیلے منہمک بودم کہ دفعۃً یک آوازدم
(دھم) از قریب آمد! ہوشیار شدم و زود برخاستم از صندلی
(کرسی) چہ ملاحظہ کردم؟ دیدم واللہ یک چیز سیاہ (کالے) دبنگ
مثل بچہ خرس روے میز من نشستہ و بار بار قصد حملہ مے کنند!
متحیر و خائف بودم ہیچ نشناختم۔ یک مرتبہ بہ آہستگی قدم زدم
و نزدیک تر رفتم۔ شناختم آغا! ای وائے ہمن منو ست
استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ آغا۔ ہم شاعر ہیں۔ و دل با قار
دبا شکوہ شاعر یک کوہِ آتش فشن (آتش فشاں) کا مرتبہ
رکھتا ہے۔ جب آغا و سر باز کرد (تو پھر) تمامی قوت ہائے
دنیا بھی اس کو روک نہیں سکتا (سکا) و امروز آقا اس کے سرباز
(بیٹھے) ہونے کا روز آگیا! او وِ ترکید (پھٹا)! دخوب مشد
پیش و در مقابلہ منو۔ ترکید (پھٹا)۔ آغا فداللہ دنیا و زندگانی
دنیا ہیچ۔ خبرِ موت روح افزا و موت روح پرور! ہاہا ہم آغا
اس وقت از حائلہ انسانیت گذشتہ گویا عفریت[1] حضرت سلیمان ع
بودم۔ اِنّی وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي[2]۔ گفتہ کمر ہمت حسیت

---

[1] حضرت سلیمان کے دربار میں عفریت نام ایک دیو تھا جس نے بلقیس کا تخت اٹھا لایا تھا
[2] آغا اب گویا ہتھیار میں گھڑے قربانی ادا کرتے ہیں بسم اللہ!

کردہ از جائے خود جہت کردم و منوے حرامزادہ را از دستہائے خود میان کمرِ او مضبوط گرفتہ (سہ)

گرفتہ ز دستش دوالِ کمر!

جنبش سخت دادہ برداشتم دو سہ مرتبہ چرخ دادہ بہ انداختم خبیث را دور۔ دور! الحمدللہ۔ الحمدللہ۔ امروز رستمی کردم! آقا۔ تیرِ من رہا شد و نشانۂ من زمین خورد؟ شاید۔ واللہ اعلم! البتہ از کستمتم نصیبم ناچار بودم۔ اتفاق۔ اتفاق! مسیو سولمن میگذشت از تہمن (یہاں) راہ چند پیش خدمتیانِ ہوتل ہم ہمراہ او بودند۔ تیرِ من نشانۂ من کجا می زد؟ ملاحظہ بفرما! منو، کہ از دستہائے با قوت من رہا شدہ وشل گردنائے (لٹو) می رقصانید در ہوا یکایک۔ بر کلہ و جبیں (کنپٹی) سولمن افتاد (منو، اِس کے منہ پر جاکر پڑا!) یک مرتبہ نالہ کرد۔ ای وائے کشتہ شدیم۔ ای وائے مردیم! آقا، زہ فی الفور فرار کرد۔ سولمن اپنے دونوں دست (ہاتھوں) سے اپنا کلہ و جبیں گرفتہ (پکڑے ہوئے!) پشت خمیدہ (جھکا جھکا) اپنے اطاق میں گیا تو ہم اپنے کمرہ میں آگئے! آقا سولمن قبل آدم خوش مزاج و خیلے افتادہ (منکسر) و مہربان بود۔ لاکن بعد از ان (ایں) ثروت۔ جیساکہ یک پرستار زادہ کو ہونا چاہئے (پرستار زادہ نہ آید بکار) اس میں حد درجہ رعونت (خشونت) و گران سری (رنگ چڑھاپن) و غرور سرا ئت کردہ بود۔ یا زہ قدرِ خود بشناس

راگاہے یادمی آورد! اُن وقت کہ ہنو اس کے منہ پر پان۔ (اپ)، ترکیب دیوں، افتاد (دباکر پڑا!) از غم و غصہ لال و بی حال شد! خیر۔ من باخبر بودم از نتیجۂ خویش و میدانستم کہ

درختے کہ تلخست ویرا سرشت ⁂ گرش در نشانی بہ باغ بہشت
وراز جوی خلدش بہنگام آب ⁂ بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب
سرانجام گوہر بکار آورد! ⁂ ہمن دیہاں میوۂ تلخ بار آورد
زناپاک زادہ مدارید امید ⁂ کہ زنگی بہ شستن نگردد سپید

زید اصل چشم بہی داشتن
بود خاک بدیدہ انباشتن

"من از نسل و اصل وے بیخبر بودم۔ البتہ خائف و لرزان (لرزاں) شدم۔ نہ از ہنو، نہ۔ از اُن مادر...... او از اتفاق و بدبختی خود! و اللہ ترسیدہ آمادہ بودم بہ فرار۔ قسمت مگر فرصت نداد! ایک مرتبہ آوازے می آید و می گوید منیجر صاحب میخواہد ترا! آغا مردیم۔ روح من کہ مصاحب و آشنائے سی سال بودہ یک مرتبہ وداع گفت! چہ کنم۔ حیران آخر مجبور پیش ان یہودی ظالم و غاصب و محسن کش حاضر شدم"

"سو من از چشمہائے خونخوار خود مرا نظر میکرد و پرسید انجا محاسب ہستید یا گربہ کش و گربہ...؟ افسوس فرزند نظام الملک ہستید از روحش شرم می آید ورنہ ترا ہلاک میکردم،

اُن زن باوقارِ بلشویک (مالکۂ منو) ہیخواہد تراسزا بدہد امروز عجیب گم بہ رقصا یند برائے ما۔ (عجیب تماشہ کیا۔ عجیب کام کیا!) عجیب کارِ سبک و نالائق و بد بختانہ کردہ ای۔ بہتر است شمارا زودتر فرصت بکنم۔ بگیر اِن (ایں) پنج ہزار سکۂ نقرہ و دستخط بکن بر اِن (ایں) کاغذ و برو۔ اِبابا نجات بدہ ما بارا از وجودِ خویش۔ برو۔ برو۔ چرا استادۂ برُو زود تر۔ مردِ احمق و شاعر و منحوس! می روی یا۔ . . . . ! من آقا مثل یک مجسمہ (اسٹیچو) ایستادہ بودم۔ بگریستم تا دیر بر حالِ خود چیزے نفہمیدم مضمون کاغذ را۔ با دست رعشہ دار دستخط کردم و پولہا را گرفتم و برگشتم!!"

(۶)

آغا اور ہیرامن (ہیراوَن)

"آغا۔ ہم ہوٹل سے باہر نکلے۔ کیا کریں کس طرف جائیں۔ کچھ نہیں جانتے۔ البتہ یک گونہ دلِ من قوی بود از ان پنجہزار سکہ نقرہ۔ مگر اس کا بھی خوف تھا کہ آغا پاریس شہر ہے۔ تماحی بدمعاشان و دنیا کا مرکز۔ نہ معلوم کون کیسا ہے۔ یہ روپیہ گراب اسی پر گویا مدار زندگی ہے کوئی دست بُرد نہ کرلے۔ واقعی خیلے متفکر و پریشان (پریشان) خاطر بودم کہ کجا روم و چہ کنم؟۔ لاکن

آقا آخر ہم شاعر ہیں وہ ہم شعرا کا دل دیوانِ (حضرت) خواجہ (حافظ) علیہ الرحمۃ کے مانند ہے۔ ہذا لسان الغیب! (دیوان) وذالک الکتاب الغیب! (دل) دلاریب فیہ!) کیا معنی؟ کہ تم دنیا جہان کی جو شے چاہو آغا ان دونوں میں سے فوراً بکال لو۔ بیش ازاں (ایں) نیست کہ وہاں (دیوان) نظم میں جواب ملے گا و یہاں (دل) نثر میں"۔

"آقا۔ ہم شعرا مغز سخن و نتیجہ سخن تک فی الفور میرسیم! ہمارے استاد (ازل) نے ہم کو مجبور نہیں بنایا۔ ننج۔ اپاہج نہیں کر دیا۔ شکر کہ از مقدمات امور معلوم (ہمیشہ) بے نیاز و نجاتِ کلی و از غلامی صغریٰ و کبریٰ الحمد للہ آزادیم! ادراک ماہا (شعرا) بہ اِن درجہ درست و رسا کہ بلا استعانت دیگر قوت ہائے دنیا نتیجہ امر معلوم را بچشم زدن معلوم می کنیم! کمیت ذہن رسا و تخیل ما شعرا و اللہ از برق فزوں و تیز رفتار ست! اما ہا تنبل (عنبی۔ بجدے) نیستیم کہ کار امروز را لفردا بگزاریم! ہم لوگوں کو آغا جو امر یا مضمون پیش آیا بس بلا پیش و پس فوراً اس کے نتیجہ تک پہنچ گئے۔ وچوں کہ ماہا تلامیذ الرحمٰن ہستیم بلا شک و شبہ وو (وہ) نتیجہ صحیح ہے! (ہو گا) آقا! ارسطو نے ہم شعرا کے واسطے (ہرگز) نہیں بلکہ برائے جہلا فنِ مکروہِ منطق ترتیب دیا۔ ہم شعرا کا دماغ آقا اس سے اعلیٰ و ارفع ہے! منطق کہ برائے خم فہم ہاست

نہ برائے شعرائے وہبی مثل ما۔"

"تو آغا در معاملاتِ خود قدرے فکر کردم۔ دماغ من از مشق و فکرِ شعر و شاعری الحمدللہ تیار بودہ۔ یک مرتبہ ذہن رسائے من منتقل شدہ۔ واز قوتِ متخیلہ الہام نظیر خود معمائے زندگیٔ خویش را حل کردم! شکر! اچہ طور آغا؟ ملاحظہ بفرمائید حالا پنجہزار سکہ نقرہ دارم۔ مسوداتِ غزلیات و قصائد ثنوی (بے نظیر!) لیلیٰ و مجنوں را باید یک لک جلد چاپ کردہ بفرستم بہ ایرن (ایران)، و از قیمتش ہر چہ گیر بہ آید خانۂ مختصر لاکن خوش وضع و قشنگ و لایق فرزند نظام الملک بخرم در پاریس و آراستہ بکنم آنرا بطرزو وضعِ آروپ و ملک ما۔ و بہ مانم در ان خانہ بفراغت! و جہ (ردپیہ) باقی ماندہ را جمع بکنم در بانک معتبر و تنزیلش (منافع) کافی و وافیست برائے حیاتِ چند روزہ ظاہر عزلت پسند و قناعت گیر! آغا یک مرد شاعر کو اس سے زیادا اور چاہیے کیا؟ بس محتاج کسے نیستم۔ الحمدللہ۔ فرصت (چٹکی بجاکر) انجا باطمینان و فراغت کلی نشستہ غلیان (حقہ) می کشم! و از شعر و شاعری خود جہن (جہاں) را متحیر و متعجب می سازم! یک قصیدۂ غرا تصنیف کردہ بحضور اعلیحضرت شاہنشاہی تقدیم نمایم و انشاءاللہ ملقب بلقب ملک الشعرا می شوم! چرا آغا؟ من آخر ہم مرتبۂ فردوسی و قاآنی (کہ) نیستم۔ والدِ مرحوم ہم ادیب الملک بود۔ من ادیب الملک ام!

عمر ما ہم کم نیست۔ شنیدہ ام کہ در ملکِ شما یک شاعرِ دہلوی[1] در عمرِ نوزدہ سالگی خطابِ ملک الشعرائی، یافت! و سن (ماشاءاللہ) حالا بیست سالہ شدہ چرا تمنائے ان (این) لقب و خطاب نکنم؟ مگر نہ ان جور (ان طور) لاحول۔ کہ چند ہوا خواہان یک نائب گونسل و سفیر، ما ہا را (بجائے خود) ملقب بہ یک لقب بکنند و شہرت بدہند کہ این خطاب دولتِ (گورنمنٹ) ما بخشیدہ لاحول ولا، نہ۔ من بطورِ صحیح و درست انشاءاللہ لقب و خطاب ملک الشعرائی، را حاصل میکنم!!

"نتیجہ صحیح بود آغا۔ آفرین (آفرین) کردم بر دل و دماغ خویش و بعجلت تمام واپس آمدم بہ ہوٹل! خیال میکنم کہ اطاقے کرایہ بکنم و انجا دو چار شب قرار گرفتہ بفراغت مسودات خود را درست بکنم و ترتیب بدہم! خیر آقا۔ اطاقے لایق فرزندِ نظام الملک فی الغور گرفتم۔ حالا مالک پنجہزار سکہ زمرہ ام! چرا صرف بکنم برائے آرام نخوردم ندارم چرا نپوشم؟ ما شام قریب بود۔ بعجلت از عصر (نماز) فارغ شدم و بہ بیرون (بیرون) آمدہ و طلب کردم کالسکہ (گاڑی) لنید و (لنیڈو) سوار شدہ رفتم برائے گردش۔ ہوا خوری دو ساعت ہوائے تازہ خوردم۔ چار پنج سگار کشیدم۔ مفرح و تازہ دم شدم۔

---

[1] ملک الشعرا ذوق مرحوم۔

حکم دادم۔ برو واپس بہ ہوٹل۔ آمدم منزل۔ پیادہ شدم! داتر ے، ہکالسکہ چی (کوچبان) را بر سیدم۔ چہ قدر اجرت شد؟ عرض میکند۔ مسیو (آقا مسٹر) سہ لیرا (پونڈ) خوب تبسم کرد و چار طلا (پونڈ) بخشیدم و آمدم بہ اطاق خود۔ شام را زود صرف کردم (ڈنر سویرے کھالیا) لباس شب خوابی پوشیدہ بہ آرام کرسی نشستہ سگار روشن کردم و مشغول شعر گفتن شدم"!!

"درظرفِ دو ساعت آغا پنج شعر نظم کردم۔ حالا دو ساعت بہ نصف شب ماندہ و قدرے خستہ ہم شدہ تہیۂ خواب کردم قدرے (ابھی) آنکھ لگی تھی آغا کہ یکایک یک آوازِ عجیب و مہیب پیدا شد۔ ہم آغا اپنے رخت خواب (بچھونا۔ بستر) پر اچل گیئے (اچھل پڑے) واللہ۔ گویا کسے میگوید۔ "بکش قرم ساق را۔ بکش قرم ساق را! آقا آپ کیا خیال کر سکتے ہیں (کہ) اس وقت ہمارا کیا عالم ہوا ہوگا۔ یقین کردم۔ واللہ کہ اُن زنِ بلجیک ما لکہ، حرامزادہ منو، کسے را فرستادست (فرستادہ است) برائے قتل ما۔ آغا۔ طپانچہ چار از ورا لماری میں بند تھا! خیلے دست پاچہ شدم۔ یک مرتبہ باز ہمین! (ہماں) آواز می آید۔ بکش قرم ساق را۔ بکش قرم ساق را! آقا۔ حواسم رفت۔ بستر سے ہم نے جست کیا۔ الکٹرک (بجلی) روشن کردم۔ نوکر ہا را صدا از دم با آوازِ بلند (چیخے)! ہمہ جمع

شدند۔ ہم نے آغا سب کو یقین دلایا کہ اس اطاق (کمرہ) میں یک بد معاش چور داخل ہوا (گھسا!) ہے۔ وہم کو قتل کرنا چاہتا ہے! نوکرہا متحیر شدند۔ یک مرتبہ آواز می آید۔ بکش قرم ساق را۔ بکش قرم ساق را، ہمہ خائف ولرزاں (لرزاں) یکجا جمع شدہ و مثل چلپاسہ (چھپکلی) بہ دیوار اطاق چسپیدند (چمپٹ گئے!) و آقا بندہ خود را ازیر پلنگ، پنہاں کردم!!

آقا۔ اس وقت دروازۂ اطاق واشدہ بود۔ وو (وہ) آوازِ ہولناک اب بیرون سے یک مرتبہ آئی! ہمہ ساکت و وہی حال۔ آقا۔ آوازِ نفس (سانس)، ہم بند شد۔ واللہ اخیر۔ بعد چند دقیقہ آخر یک جوانِ رستم دل حواس خود را جمع آوردہ، ہمت کرد۔ و اپنا طپانچہ دست میں لیکر طرفِ آواز می تاخت! (جھپٹا!) خیر۔ ما ہم درعقب او افتاں و خیزاں می تاختند (دوڑے!) بیرون اطاق آمدیم و الکترک روشن کردہ جستجوئے ان قاتل و خونیٔ خبیث برپا شد! یا للعجب! کسے نظر نمی آید! شاید روپوش شدہ۔ مردم آمدند۔ غالباً فرار کرد! خیر۔ الحمد للہ۔

ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت!

یک مرتبہ باز ہمن (ہماں) آواز از قریب پیدا شد۔ بکش قرم ساق را! ہمہ نوکرہا صدا بلند کردند۔ ہمنجاست (ہماں جا است)، ہمنجاست۔ پدر سگ۔ قرم ساق۔ قرم ساق۔ نامرد نامرد! بہ آرید طپانچہ! بہ آرید طپانچہ! الکترکِ دیگر ہم روشن

گردنرز چار طرف نظرِ جستجو انداختیم۔ یا اللہ کسے را ندیدم! اگر آقا دفعتہً ہماری نظر طرفِ دیوار جو گئی (پڑی)، چہ ملاحظہ کردم؟ واللہ دیدم کہ یک طوطہ، سبزہ رنگ در پہلوے دیوار باطمینان و فراغت نشستت! (نشستہ است) گفتم بدل۔ یا اللہ اِن طوطہ۔ از کجا پیدا شد؟ یقینی (ہو نہو!) قاتل من از قسم اجنہ بود۔ حالا تغیر ہیئت و لباس دادہ در جائے، طوطہ ہویدا شد! خوف تا حال غالب بود۔ نزدیک رفتم۔ ہمہ متحیرانہ متوجہ شدند۔ یک مرتبہ ان جانور گردنِ خود را قدرے جنبش دادہ و سر را بلند کردہ صدا میدہد۔ بخش قرم ساق را"!! آقا شناختم قاتلِ خود را! حواسم درست شد۔ نوکرہا خیلے خندیدند۔ مرا ہم قدرے خندہ آمد! نوکرہا را انعام دادہ رخصت کردم!!

"اب آغا ہم تنہا ہیں۔ خدا بہتر میداند چرا با وجود ان نفرت قلبی و جبلی کہ از جانورن (جانوراں) میدارم یک کشش قلبی از طرفِ ان طوطہ، پیدا شد و رفتم با آہستگی قریب! الحمد للہ۔ خیلے اہلی (پالو) ست! ہیچ رم نمی کند! بسہولت گرفتم و متوجہ اطاقِ خودم کہ یک مرتبہ شنیدم یک آواز پرلحن و گیرندہ و سبک و شیرین کسے میگوید۔ مل گیا۔ مل گیا۔ مٹھو (مٹھو) میرا مل گیا۔ اللہ شام سے ہم بیقرار تھے۔ مٹھو۔ آؤ۔ آؤ۔ مٹھو، پیارے"! آغا آواز بود یا برق۔ آغا اِن (ایں) صدا بود یا صدائے وادی ایمن! دل را باختم۔ متوجہ شدم بر آواز۔ اللہ اکبر! دیدم یک حورِ بہشتی (دیا)

افگندہ گیسو یک طرف۔ زلفِ چلیپا یک طرف! اپنے دونوں دست
(ہاتھوں) سے پلہ ہائے (پٹ) دروازۂ اطاق خودرا گرفتہ
ایستادہ ہے! و از نظرِ جادو اثرِ خود بیماری طرف نگاہ (دیکھ) کررہی
ہے! آقا من ہم نگاہ میکردم (آقا ہم نے بھی اس کو دیکھا!) نظر چار شد
اف! مردمکِ (دیدۂ) بادرچشم حیات بخشِ او۔ و مردمکِ نازنیں۔
دہن (جان) پرور او در چشم پُر انتظار من جا گرفتند و یک دیگر را
معانقہ و نیز بر انگیختہ میکردند!

"آقا ہم کو کچھ بن نہیں آیا۔ باللہ العظیم فراموش کردم!
الفاظ را۔ حالانکہ الکن ام۔ نہ گنگ! دوبارہ دیدم و سر افگندم و
سجدہ کردم۔ سجدۂ عبودیت! آقا وہ قریب آئی۔ و سرِ پُر نیاز
من از دستہائے نازنیں و سبک و شفقت آلود (خود) برداشت
و مرا درست بہ نشانید! و از دستِ من اپنا منھ، لیکر قدر
ایستادہ رہی۔ و فرمود۔ خدا حافظ۔ شب بخیر۔ صبح ملیں گے"!!
آقا گویا تا حال در خواب بودم۔ یکایک بیدار شدہ ام۔ کسے
نیست۔ کسے نیست! الہٰی۔ الہٰی۔ ان (ایں) بیدار نیست یا خواب
کجا رفت۔ کجا رفت۔ قاتلِ منکہ۔ لاواللہ۔ جن (جان) پرورِ من
نہ حیات بخشِ من۔ ۔ ۔ ۔ ؟ یا اللہ۔ من شاید موسیٰ بودم و ان
(ایں) وادی مقدس ست! یک صاعقہ دیدم و شنیدم چند
کلمات شیریں و جن (جان) بخش! سجدہ کردم و غش کردم۔۔۔۔
بہ ہوش آمدم و کسے نیست"!!

"آقا۔ کچھ نہیں معلوم ہم کب تک اس حال میں (پڑے!) رہے۔ لباسِ شب خوابی پوشیدہ بودم۔ سردی معلوم ہوئی تو ناچار از آن کوچہ یار اپنے اطاق میں گئے۔ دست و پایم، سرد بود لاکن اندرون گرم مثلِ تپ کہنہ! ...... خیر آغا ہم بستر پر بی حال گرے۔ نیند کیسی۔ آرام کہاں کا۔ دل رخصت جن (جان) رخصت۔ ایمان رخصت! من ہوشیار و طالعم می خفت! ..... الٰہی یہ کون بشر ہے؟ لا واللہ۔ حاش للہ مانندِ البشر! ..... واقعی ان فرمود یا دلِ من آوازی داد۔ (کہ) خدا حافظ۔ شب بخیر۔ صبح ملیں گے،! مگر صبح کجا؟ حالا نصف شب شدہ۔ صبح دور۔ مادور۔ دل من دور روح من دور! ..... بخیر! بخیر چرا گفت؟ معنیٰ بخیر چیست؟ دعا میگفت۔ دعا میداد! کس کو؟ ہم کو؟ نہیں۔ خود کو! ہاں درست خدا بخیر، بسماند۔ ..! ہاں یہ شب دراز ختم ہوگی۔ صبح آئیگی۔ ملیں گے۔ کس سے؟ ہا ..... ! اس کی امید۔ امید۔ امید ...!

یہ کہتے کہتے آغا کا حال متغیر ہو گیا۔ کلیجہ کو کئی بار پکڑ پکڑ کر رہ گیا آخر (غریب!) خود ہی حواس میں آیا۔ سنبھلا۔ اور نوکر کو بھرائی ہوئی آواز سے پکارا" بچہ یک چائے بدہ (ایک پیالی چائے) گرم۔ خوب گرم۔ زود۔ زود۔" نوکر چائے لایا۔ آغا صاحب کی (ماشاء اللہ) یہ چوتھی پیالی تھی! دو گھونٹ اس کے جلد جلد (حلق سے) اتارے اور پھر مجھے بغور دیکھ کر۔" آغا ملاحظہ کر دید۔

تاحال ستا نزم۔ واللہ زندہ نیستم اِباں آغا۔ جو دختر ہر شب باجناب شما اس تالار (ہال) میں غذا نوش کرتی ہے۔ وہ کون ہے؟ حفظ نظر۔ چشم بد دور۔ ماشاءاللہ صاحب۔ ۔ ۔ است دوستہ بار ایشن (ایشاں) را زیارت گردم۔ خیلے مانوس ست با...... ! فرنگیست یا..... ؟ امشب ندیدم اگر احوالش (الحمدللہ) خوب ست؟ (جی تو اچھا ہے؟) چرا نہ آمدہ برائے غذا از کجا آمدہ ست (آمدہ است) ؟ مسافرست یا محلی؟ وہ ہے کون آغا؟ نامش چیست؟ شما کہ ہمدردِ من ہستید۔ آقائے من ہستید۔ غالباً التعارف (تکلف) از ما ندارید۔ نشانش بدہید مرا..... !" جواب۔ مجھے خود زیادہ حال نہیں معلوم۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ جس بلی (لیبی) سے آپ کی یہ حالت ہوئی اس کی مالکہ (یا ملکہ) وہی ہے! قریب تھا کہ آغا کے ہاتھ سے پیالی چھوٹ پڑے! تا دیر غریب (پھر) سناٹے کے عالم میں ہو گیا اور میں بھی، چپکا ہی رہا!!

تقریباً دس منٹ بعد آغا نے پھر سلسلۂ کلام یوں شروع کیا۔ "ساعت چند زدست؟ (کے بجے ہیں؟) معاف فرمائید ظاہر گستاخ خیلے زحمت دادہ۔ آقا نہ معلوم کیوں یک کشش قلبی آپ کے ساتھ ہو گئی ہے (توجہ عالی زیاد!) دل ہمارا (یہی) چاہتا ہے کہ اپنا قصہ پر غم آپ کے حضور من وعن عرض کروں؟۔ دکردوں)! جواب۔ گیارہ میں کچھ باقی ہیں۔ ابھی

ـــــــ

۱؎ یہ دیکھنے گا

سویرا ہے۔ گھبرائیے نہیں۔ میری نیند بھی آج اڑی ہوئی ہے۔ اور آپ کے قصہ میں الگ دل لگا ہے! بسم اللہ۔ ہاں۔ تب آخر چہ طور شب را بسر کردید؟

"ہاں آغا۔ عرض میکنم۔ ہم اس وقت باللہ العظیم بی حواس تھے۔ یاد ندارم کہ چہ کردم و چہ شد! بعد قدرے جب سکون ہوا (دق) ہم نے اپنا دیوان نکالا و پکار پکار کر (چیخ چیخ کر!) با آواز بلند و لحن دار (گا گا کر!) غزلیات خود را خواندم (چیخ چیخ کر۔ گا گا کر اپنی غزلیں پڑھنا شروع کر دیں!) و بقیہ شب را ہمیں طور گزراندم! ظاہر بی چارہ بیدار و نہ معلوم ان فتنہ ۔ ۔ ۔ ہم بیدار است یا بخواب؟ صبح قریب بود آغا۔ ہم نے نیت نماز کیا اور سجدے میں جا کر اپنے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے حق میں دعائے ۔ ۔ ۔ ۔ تا دیر کرتے رہے"!!ہ

پچھلے پہر اٹھ کے نمازیں
ناک رگڑتی سجدوں پہ سجدے
جو نہیں جائز اس کی دعائیں
اف رے ۔ ۔ ۔ ۔ ہائے زمانے

اس رات کی صبح

"خدا خدا کر کے آفتاب نکلا و وقتِ نہار (کھانا) رسید!

ہم نے آغا جلد جلد خط بنایا۔ غسل کیا و تبرکاً پوشاک (سوٹ)
نظام الملک ہیں سے یک لباس قیمتی زیبِ تن کر کے کھانے
کے کمرے کی راہ لی۔ آغا امصبح صبح باغ فردوس ست۔
شام محنت انجام و شب یلدیٰ و شب فراق گذشت۔ حالا صبح
وصال رونمود! آقا چہ می بینم؟ آغا چرا گوشہا و دماغ (ناک)
من گرم شدہ و دستہا و پاہم یخ؟ آغا قلبِ من چرا این قدر می
تپد و چشمہائے من چرا بہ یک مرکز متوجہ گشت و نظرِ من چرا بہ
یک نقطہ دوختہ شد (چپک کر رہ گئی)؟ آغا ملاحظہ بفرما
اللہ اکبر! از دور یک گل تازہ شگفتہ در نظرم می آید و من
ہمہ تن متوجہ اُن گل نو رستہ (ام)! واللہ یک ستارۂ سحری
برزمن (زمین) جلوہ گر ست! ای آفتاب تو امصبح مگر
زرد شدہٗ۔ ای زمن (زمین) تو امروز از فرطِ انبساط مگر
لالہ زار گشتہٗ! بسم اللہ پذیرائی کن مہمان عزیز خود را!
بہ بن (دیں)، میروم نزد آن مہ تاباں! آقا اس وقت پیر
ہمارے یک یک من کے دمن من بھر کے ہو رہے تھے مگر خیر
خود کو کسی طرح اس تک پہنچایا۔ جانِ من سرِ بہار نشستہ
با پیرمردے مشغول صحبت ست۔ بدل گفتم۔ وقت خداحافظ
گذشتہ حالا وقتِ زیارت ست نہ وقتِ ملاقات!
نظرے بفرما (کہ)، شب بخیر گذشت و صبح۔ ۔ ۔ ۔ از پردہ
بیرون (بیروں)، آمد یا نہ؟ خیر۔ آغا بدلِ مضطرب و حواش

رفتہ ہم اسی طرف نگاہ کرتے ہوئے قدرے (ذرا) جلو رفتم (آگے بڑھے) کہ یکایک بختم یاوری کرد طالعم روشن شد ہمی دید۔ و اللہ نگاہ می کرد۔ چہ نگاہ ہے کہ رفتہ بر نمی گردد (کہ جس جگہ بیٹھ جائے پھر نہ اٹھے) سر را قدرے خم کردم۔ اشارہ سلام نہ اشارۂ سجدہ۔ و اللہ می شناخت!

میں فدا لغزش رفتار پہ اپنی اے شاد
دور سے دیکھ کے اس نے مجھے پہچان لیا

وجواب (ہم) داد۔ از ابروے آبرو بخش۔ تبسم می کرد! از لب جن (جان) بخش و اشارۂ طلب می فرمود از گوشۂ چشم حیا پرور! من آغا بے خود بودم از فرط جوش و غلبۂ شوق حاضر شدم۔ دوبارہ سر نیاز خم کردم۔ ہماری طرف سے ذرا کج ہو کر آغا اس پیر مردگی طرف مخاطب ہوئی و با تبسم زیر لب گفت۔ "پاپا یہ وہی ہیں جنھوں نے (کل رات) میرا "منتو" لاکر ہم کو دیا۔ یہ نہ ہوتے تو کاہے کو بچتی میری جان!"

"(اس پر) پیر مرد (بڈھا) تبسم کرد و دست تعارف سے (ہم کو) آبرو بخشی۔ فرمود۔ بنشین، (بہ نشیں)۔ ۔ ۔ ۔ ! (یا اللہ[1]) آغا۔ شب بخیر۔ ۔ ۔ ۔ یک رویائے صادقہ بود کہ صبح زود تعقیبش

---

[1] جب کوئی آتا اور بیٹھنے کا قصد کرتا ہے تو ایرانی اس وقت یا اللہ کہہ کر اسے تعظیم دیتے ہیں۔

یافتیم! صحبت طول کشید و در اثنائے گفتگو مترشح شد کہ حضرتِ پیر مردِ ما یکے از نجبا و امرائے انگلیستان ست۔ حالا سفرشِ دِشاں، تمام شد و فردا تشریف می برد بہ وطن مالوف خود "اینی! حالا دہ زدہ۔ برخیز۔ کیوں میسیو (مسٹر) ہم لوگ ذرا سیر کو چلیں؟ پدر فرمود۔ صحبت برخاست ہوئی اور ہم لوگ نکلے...... اینی نام است یا یک برق جہندہ کہ اثرش در رگ و پے طاہر سرایت کردہ و دم بدم سیلانِ خون را تیز و تند میکند! پاپا۔ اینی نام دادہ است۔ منکہ پاپا نیستم۔ چہ طور اینی اینی ہا بگویم۔ منکہ بے تہذیب نیستم۔ آنکہ ملکہ است۔ واللہ! و طاہر یک چاکر و غلام اوست۔ لاکن غلام وفادار۔ مثلِ سگِ نیو فونڈ لینڈ...... بہتر۔ من او را ملکہ اینی میگویم حالا درست شد! آغا۔ قریب دو ساعت گردش کردیم۔ بندہ در خیال خود بودم۔ وصل را فراموش کردہ حالا نظرم بہ فراق ست! غم فردا ہلاک کر رہا تھا آغا۔ کل وہ جائے گی۔ فردا اینی! نہ۔ استغفر اللہ۔ توبہ۔ ملکہ اینی، رخصت می شود۔ خیر فردا من ہم رخصت۔ واللہ نخواہم ماند! اس تصور میں آغا حالتِ ما متغیر شد! لاکن آقا آخر ما شاعر ہستیم۔ یک مضمون نو تراشیدم۔ ملاحظہ بفرما۔ عرض می کنم بہ پاپا۔ آج پاریس میں آپ لوگوں کی اخیر شب ہے۔ یک طائفہ چینیہا کل یہاں آیا ہے۔ خیلے خوب تماشہ می کنند۔ میگویند پروغرام (پروگرام)

ع سگہائے نیو فونڈ لینڈ، غالباً محتاج تعارف نیستند

خوب و مرغوب۔ خیلے مفصل و دلکش دارند۔ بدید نمیت اگر اجازت بدہید لڑ (بکس) بگیرم در تیاتر (تھیٹر) امشب ومی دیدیم تماشا و حکمت چین را" آقا۔ قبل از پیر مرد۔ ملکہ بے ساختہ فرمود۔ ہاں پاپا من ہم اشتیاق دارم۔ آقا قریب بود کہ میں فرطِ خوشی و قتی میں غش کر جاؤں۔ بمشکل خود را قابو کردم!"

"ہم لوگ ہوٹل آئے۔ ہم نے آغا تلفون (ٹیلیفون) دیا۔ عن الفور لڑ گرفتیم۔ لڑے لایق فرزندِ نظام الملک۔ نہ لڑے و جائے لایق ملکہ ما!..... امشب جون (جان) ما۔ روحِ ما۔ خداوند ما۔ مہمون۔ (مہمان) ماست! خیلے خوش بختم۔ آغا واللہ ہوشِ بہشت نداشتم و چرا دیگر ہو سہابہ کنم۔ ے

امشب انجا نہ بہشت ست کہ جائن (جاناں) انجاست
مہِ من۔ آں مہِ تابن (تاباں) انجاست
بلبلن (بلبلاں) غصہ مخور ہر گلستونِ (گلستان) ارم
بلبل انجا و گل انجا و گلستن (گلستاں) انجاست

اِن غلام و ایازِ ملکہ آینی۔ امشب سرفراز شدہ است۔ چہ طور آقا؟ للہ تصور بفرما۔ طاہر بیچ میں ہے۔ اس کے دستِ راست پر خداوند مہربانِ او جلوہ گر و طرفِ چپ پاپا ئے...... ما ہا مشغولِ صحبت ہستیم۔ تماشہ را ہم میدیدیم و تعریف میکردیم۔

ملکہ آئینی، می فرماید۔ پاپا میسیو طاہر آدم خوش پسند ست واقعی۔ تماشہ کہ بد نیست، آقا۔ طاہر از خود گذشتست الفاظ را فراموش کرد ست (کردہ است) برائے شکریہ جواب! "آقا۔ ما خیال کردہ بودم کہ یہ تماشہ ضرور مرغوب خاطر ہوگا۔ وہ ضرور وہ (وہ) دو ایک روز اور اس کے بہ اطمینان ملاحظہ کرنے کی غرض سے پاریس میں قیام فرمائے گی۔ لاکن آغا تماشہ ختم شد و تا حال نہ شنیدم حرفے در بارہ حرکت و قیامِ فردا۔ دل من تہ و بالا ہے آغا۔ خیر۔ آمدیم بیرون و رسیدیم۔ بہ منزل۔ حالا نصف شب گذشتہ۔ پاپا رخصت می شود۔ ملکہ در عقب او ساکت ایستاد ست۔ من ہم ایستادہ و در نظرم ہمہ چیز در چرخ است! یکایک پاپا می فرماید۔ میسیو خیر۔ خدا حافظ۔ فردا صبح انشاءاللہ میرویم بہ لندن۔ قدرے خاموش شدہ و باز می فرماید۔ میسیو طاہر فردا تم بھی ہمراہ لندن چلو۔ وہاں چند روز ہمارے مہمان رہو! اف ہمارا تمام جسم آغا غرطِ خوشی و جوش میں رعشہ دار دکھائی رہا ہے۔ می خواہم چیزے عرض بہ کنم۔ لب آغا تھرا کر رہ گئے۔ واللہ عوض جواب سر نیاز و اکوب خم کردم و بس (اسپر) ملکہ آئینی، یک مرتبہ بہ تبسم زیر لب و بانگاہے حسن (جاں) پرور مارا دید۔ ما ہم نگاہ کردیم و آغا یک نظر نے دوسری نظر کو رخصت کیا! خدا حافظ گفتیم۔ چہ طور؟ ہمین (ہماں) طور آغا۔!

شب بخیر۔ صبح ملیں گے،، آغا۔ ملاحظہ فرمودید کرامت شاعری طاہر مضمون آفرن (آفریں) را؟!

آغا صاحب لندن میں

چلا ہے او دلِ راحت طلب کیا شادماں ہوکر
زمینِ کوے جاناں رنج دنیگی آسماں ہوکر

"ما مقیمانِ کوے دلداریم! درخ بہ دنیا و دیں نمی آریم ۔ شاعرے میگوید۔ لاکن واللہ عجب قانع و صابر است۔ در کوچہ بی حال و بی یار افتادہ و بران فخر ہم میکند۔ عجیب انہ معلوم وہ (اگر) مثل طاہر ہوتا تو کیا کرتا و چہ می گفت؟ آقا۔ بندہ شاعر ہے۔ لاکن شاعر باغیرت۔ بے غیرت نہیں۔ واللہ۔ کہ کسی کوچہ میں افتادہ رہوں مثلِ یک سگ خارشتی و بیمار۔ یا منت کشئ دربان کو اپنا فخر سمجھوں۔ لاحول! آقا۔ ملاحظہ بفرمائید بندہ حالا مہمان۔ نہ۔ مہمان عزیز دلدارم! نہ در کوچہ کہ ملجاء و ماوئ بلکہ صدر المنتہاے شعراے غریب و عشاق بی چارہ ست خدا نکردہ افتادہ ام۔ نہ۔ بلکہ طاہر در پالیس (پیلیس بمکان) محبوب خود مثل صاحب خانہ و مالک کُل زندگی می کنند۔ ہاں۔ مصرعۂ دوم۔ ؎

رخ بہ دنیا و دیں نمی آریم ؏

البتہ خوب گفتہ و بر من صادق ست۔ وہیں کہہ سکتا ہوں،

آقا کہ آن شاعرانِ مصرعہ واقعی برائے ما گفتہ بود۔ الحمد للہ۔ حالا از دین و دنیا فارغ ام۔ روح چرا و چہ طور رخ بکنم بہ چیزے دیگر غیر از رخ "ملکہ" ما؟"!

"آقا۔ خانہ ملکہ" صرف ہمارے (ہی) واسطے فردوس برزمین (زمین) نہ بود۔ بلکہ لندن کا ہر کہ و مہ وہاں آنا اپنا فخر و نجات سمجھتا تھا۔ آقا۔ ہم (بھی) اس "فامیل (فیملی۔ خاندان) کے اب ایک رکن ہیں۔ ہر وارد و صادر (آئے گئے) سے خود ملکہ" میرا تعارف (شناسائی) کراتی ہے۔ کل خاندان بلکہ کل دوست احباب و بزرگاں و آشنایاں ہماری قدر و منزلت و عزت و توقیر کرتے ہیں۔ آقا من شاعر ہستم و ہر روز یک مضمون نو تراشیدہ و موزن (موزوں) کردہ جملہ ارباب را بہ جانب خود متوجہ می سازم۔ اگر چہ از زبان انگلیسی (انگریزی) چندان (چنداں) آشنا نیستم لاکن از نقادئ طبیعت و فکر بلیغ شاعرانہ کارِ خود را الحمد للہ بہ سلیقہ و بہ طرزِ احسن انجام می دہم۔ الغرض آقا وہاں کوئی ایسا نہیں جو ہم پر مہربان نہو۔ الحمد للہ۔ ہمہ بنظر لطف و محبت با ما پیش می آیند۔ نہ۔ ہمہ، غلط گفتم! البتہ یک کافر ست۔ بی ایمان۔ بظاہر دوست لاکن در پردہ دشمن۔ آقا وو (وہ) ہر روز اس خانہ میں آتا و ملکہ اپنی" سے صحبت رکھتا ہے (باتیں کرتا ہے) از ما ہم سلام علیک و مزاج پرسی می کند۔ صحبتش آغا مرا خوش

نمی آید۔ نام ان سیاہ کار، سراج ' ست، واللہ ان غول بیابان (بیاباں) ست نہ 'سراج' برعکس نہند نام زنگی کافور! در سفارت خانۂ ایران (ایران) می ماند۔ وخود را از امرائے فارس مشہور کردست۔ من اصلا از اصل ونسل وے خبر ندارم۔ سراج 'آغا البتہ مرد جوان ست مگر نہ خوشگل وخوبصورت مثلِ ما۔ 'سراج' روشنئ طبع ہم ندارد۔ شاعر نیست! واللہ عجب بدبخت وبدمذاق ست کمبخت دران عمرِ بست و پنج سالگی در دار العلوم لندن درس می خواند! من اکثر در حضور 'ملکہ' سوالات از شعر وشاعری میکنم۔ مثل یک عنتر وحشی (جن مانس) منہ کھول کے آغا وو (وہ) رہ جاتا ہے۔ مردود کو پیشِ 'ملکہ' ہم شرم وحیا نمی آید"۔ (ہونٹھ بچکا کے)

"آغا۔ مگر من خوب می شناسم 'سراج' را مثل او تنبل (ڈھونگل) نیستم! ان مردک میخواہد بر 'ملکہ' دست یابد (قبضہ کرے) لاکن غافل نیستم۔ ہوشیار ہستم۔ وہ جب چلا جاتا ہے تو میں اپنے دشمن ورقیب سیاہ رو کا حملہ سحر وافسن (افسوں) باطل کر دیتا ہوں۔ آقا وہ تیر دمگا درخ ہے وہیں آفتاب! اس کا جادو جادوئی ساحران فرعون وہمارے پاس عصائے موسیٰ ہے! کیونکہ آغا وو (وہ) مقابلہ کر سکتا ہے؟ کیونکہ۔ جاءَ الحق۔ زہق الباطل!!......"

"آقا دران زماں در لندن ہر خانہ ممتاز میں یک دو آلۂ صورت (فونوگراف) ہمیشہ رہتا تھا و بعد از صرف شام (ڈنر) ہر شب فونوغراف بجایا جاتا تھا، ملکہ آینی ازن (از اُن) خیلے شغف میداشت۔ و خود اورا گوش داده به صوتہائش مثل مار (ناگنی) مست می شد۔ ما ہم قرب ملکہ، خود نشستہ از بیخودی و نگاہِ مست او لذت می بردیم؟ .... "یک شب آقا سر آج غول، آمدہ، ملکہ را چند تاریکارڈ پیشکش کرد و خیلے تعریف و توصیفِ تحفۂ خود کرد۔ ملکہ مشتاق شد و اظہار پیش ما ہا نواختند۔ گو من گاہے تعریف نہ کردم لاکن واقعی خیلے خوب بودند۔"

"اب آغا۔ ظاہر کا خاتمہ ہوتا ہے! پردۂ تیاتر (تھیٹر) می افتد و تماشائے چند روزہ کہ مرا بی ہوش ساختہ و از خود بردہ بود ختم می شود! چند الفاظِ بی معنی مثل کلماتِ جادوگرے خرمن ما را مثالِ برق یک مرتبہ خاک و سیاہ میکند۔ ان کلمات میں واللہ آقا کسی قسم کی شاعری نہیں تھی۔ خشک بودند مثل چوب۔ و بر دل نازک شاعرے ان چوبہا کارِ شمشیر و خنجر میکرد۔ ملاحظہ بفرمائید دُرن (دران) ریکارڈ یک نوائیست۔ سر آج، بدمذاق در تعریف و تمجیدش خیلے مبالغہ میکند۔ ملکہ مشتاق میشود

ان گیدی ازنخار از جائے خود بر می خیزد و یک ریکارد در فونوغراف گذاشته می نوازد۔ ملکہ، و ہمہ حاضرین مجلس گوش بر آواز ند۔ من ہم متوجہ ام۔ فونوغراف چہ می سرآید؟ آغا۔ اف۔ بشنوید۔ صدا می آید ؎

گر بہ گم گشتہ امشب باز می آید سراج،

"لاحول ولا قوۃ۔ لفظ اول را کہ شنیدم واللہ میخواستم فونوغراف را پارہ پارہ بکنم و سراج مکار را بکشم! ہمہ قہقہہ می زنند۔ و من از غم و غصہ بی حالم۔ ملکہ، می فرماید۔ میسیئو طاہر می شنوی چہ قدر آواز خوش ست؟ عرض می کنم۔ امشب دردِ سر میدارم۔ اجازت بدہید۔ بروم برائے خواب ہند تر رخصت شدم۔ نہ معلوم آقا و (وہ) منحوس و بد ذائقہ گا ناکس وقت تک رہا و "سراج" بی تمیز کب دفع ہوا!۔ آقا۔ باللہ العظیم در ہمن (ہمیں) مصرعہ ناموزون (ناموزوں) بدبختی ما پوشیدہ پنہا ست! عرض میکنم۔ شما ہمدرد ما ہستید۔ میگویم آقا۔ افسوس ہم نے خیال نہیں کیا۔ کہ یہ الفاظ ہمارے واسطے شگونِ بد ہیں۔ حالا دست تاسف می مالم چرا اُن وقت غور نہ کردم۔ ہوشیار نہ شدم کہ آخرہ روز بد و روز قیامت را دیدم۔ افسوس"!!

"اس واقعہ جن (جاں) فرسا کے دوسرے روز وقتِ عصر آقا ما ہا نشستہ چائے میخوردیم۔ ملکہ آنجی مقابل ما

بود۔ و از لب۔ و از چشمہا ہم مشغولِ صحبت و گفتگو بودیم۔
کہ یکایک مثل یک مہمون (مہمان) ناخوانده 'سراج' بی حیا
پیدا شد! مارا ہم سلام کرد۔ ملعون نشست۔ واقعہ شب
یاد کردم و خواستم برخیزم۔ 'سراج' کہ آمد فی الفور 'ملکہ' را
مخاطب کرده عرض میکند۔ ایجنی۔ برائے شما یک خبرِ خوش
آورده ام! 'ملکہ' متوجہ شد۔ بدل گفتم آقا کہ طاہر ان
وقت فرار نیست۔ وقت مقابلہ ست۔ صبر کن۔ بہ بن۔
(بہ بیں) اِن مردک دیگر چہ گربہ می رقصاند (اب کیا گل کھلاتا ہے)
"سراج"۔ بہ "ملکہ" عرض میکند۔ البتہ یاد دارید۔
مس جوزف را؟ با شما در یک ہوتل پاریس بود۔ دیروز
آمده است بہ لندن۔ خیلے متواضع و سادہ مزاج ست
شب با او بودم۔ تا دیر صحبت کردم۔ و حالاتِ ملک خود
برائے ما بیان کرد۔ لاکن متعجب بودم چرا تا حال محبوبش
پیدا نہ شد! آخر پرسیدم۔ گربہ شما کجا ست؟ بہ بی میلی
(سرد مہری) جواب داد! باید کہ در اطاق باشد۔ یافتم (سمجھے)
کہ مس جوزف حالا ان درجہ شغف و محبت با گربہ محبوب خود
ندارد۔ فی الفور خواستم "گربہ" را۔ و بعوض صد لیرا (پونڈ)
خرید کردم برائے شما ایجنی"۔!
"ملکہ" بصد بے قراری از جائے خود برخاست۔ و در
فرطِ طرب و شادمانی و بیخودی بردوشِ آن مکار دست

نہادہ وگفت۔ ' سراج '! ہم تا عمر تمہارے احسان مند رہیں گے۔ واللہ کاری (کارے) کردید۔ سراج۔ شما بہتر می دانید کہ پاریس میں ہم نے ہزار لیرا تک اس کی قیمت دینا چاہی مگر مِس جوزف ہرگز راضی نہ شد۔ واس کے حق بجانب (بھی) تھا۔ کیونکہ وو (وہ) اس کو دم ہوش پیار کرتی تھی۔ وو واقعی (منو) ہئی پی (ہے بھی) اسی درجہ خوش صورت و خوش سیرت"!!

"آقا۔ وو (وہ) نام تھا ہمارے واسطے یا یک شمشیر برہنہ (اپی تلوار) کہ دل مرا چاک چاک کردو بی اختیار لغرہ یا اللہ یا اللہ۔ یا حفیظ یا حفیظ۔ بلند کردم۔ صدائے طربِ ' ملکہ ' لِلّٰہ الحمد چندان (چنداں) بلند بود کہ کسے نالہ و فریاد مارا نہ شنید! آقا فی الفور قفسِ ان جانورِ منحوس و مکروہ ورو سیاہ پیدا شد۔ ' ملکہ ' اورا از قفس ببرن (بیروں) آوردہ بر آغوش خود جا داد۔ آقا۔ تصور لفرما حالِ طاہر بدبخت را۔ واللہ عہ ہرگز نہ شد کہ بی سرخر زندگی کنم! آغوش طاہر و نازک و پُر صفائے ' ملکہ ' آئنی ' وجائے اُن جانورِ نجس و وزین و رذیل و مکروہ۔ لاحول ولا قوۃ۔ دیگر جرأت دیدن ان تماشائے مکروہ نہ کردم۔ ' ملکہ ' با او مشغول بود من فوراً برخاستہ بہ اطاق خود آمدم"!

"آقا۔ از چند روز خیلے متفکر و متردد و بی چین و پریشان

(پریشان) خاطرم۔ چرا؟ بفراغت از ملکہ گفتگو نکردہ ام۔ وشس طرح اس شے پاس جاؤں۔ گفتگو کروں (ہنسوں بولوں) دران حالیکہ ہمہ وقت ان بچہ خرسؔ[۱] اس پر سوار رہتا ہے! ہم نے آغا بیماری کا بہانہ کیا ہے۔ نہیں آغا ہم واقعی بیمار ہیں بلکہ بدتر از بیمار۔ بیمار جن (جان) بلب زندگی بدتر از موت۔ ایکاش می مردم و از ان بدبختیہا نجات می یافتم۔ ہم اپنے اطاق سے آج کل بغیر ضرورت شدید نہیں نکلتے ہیں۔ واللہ من گویا در قفس مثلِ طائرِ پر شکستہ زندگی می کنم"!

"لاکن آغا آخر من شاعر ہستم۔ قدرے فکر کردم در معاملاتِ خود۔ ہم کو مراقبہ میں آغا دو دقیقہ (بھی) نہیں گذارا تھا کہ حل کردم مسئلہ نجات خود را۔ ان وقت خیلے مسرورم واللہ بسیار بشاش۔ دردِ سر کہ نیست۔ اختلاج قلب ہم دور است۔ الحمد للہ! امیر وم برائے نجاتِ خودم۔ ملاحظہ بفرمائید آغا۔ اُن "طوطہ" (مٹھو پیارے) دلربائے "ملکہ" "اینی" در قفس خود بہ آرام نشست ست۔ و اُن جانور منحوس (منو) در تالار بر یک نیم تخت دراز کشیدہ در حالت نوم ست۔ دور بفرما آغا صغریٰ و کبریٰ را۔

---

[۱] سر آج نہیں۔ منتو!

حالا نتیجۂ تخیل کرامت لنظیرِ طاہر را ملاحظہ بفرمائید۔ میروم نزدیک ان طوطہ، ورہا می کنم ان را از قفس۔ لاکن آغا جس وقت ہم 'طوطہ' سے قریب گئے۔ واللہ مرا شب اول یاد آمد و' واسطہ' خود را بہ حسرت دیدم و قدرے اشک ہم بر رخسار ما ریخت"!!

"خیر آغا۔ ہمت کردہ 'طوطہ' را رہا کردم و برگشتم۔ زود۔ لبادۂ سنگین (اورکوٹ۔ سنگین) پوشیدم و سر و سینہ و روے خود را بہ یک شال محفوظ کردہ و ندا (ڈنڈا) گرفتم و رفتم تا تالار۔ و خدا کا نام لی۔ (لے) کر۔ قلب کو مضبوط کر کے ان نجس جانور کو" اس چستی و چالاکی و ہوشیاری سے ہم نے اپنے ڈنڈے سے خائف کیا کہ آخر ود (وہ) اپنی جا سے کودا و جس طرف 'طوطہ' تھا اس جانب رہسپار ہوا۔ و ہمن (ہمیں) قدر آرزوئے ما بود و بس۔!

"الحمد للہ اب یہ جانور جاتا ہے۔ 'طوطہ' رہا ہے ضرور ود (وہ) اس پر حملہ کرے گا و' طوطہ ہم کشتہ ہوگا۔ ملکہ' اہی خبر پائے گی۔ ان جانور منحوس سے لامحالہ اس کو نفرت و عداوت ہوگی۔ و ان بدر نامرد خانہ سے دور کیا جائیگا۔ و ہم و' ملکہ' باز سرخوش نظر آئیں گے۔ صحبت گرم رہے گی۔ دن عید ہوگا و رات شب برات!".......... "آقا ان جانورِ نجس سے تالار کو پاک کر کے ہم نے اپنے اطاق میں

خود کو جلد تر نہاں کیا و منتظرِ نتیجہ کارِ عظیم خودم (ام) !!"۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میاں:۔ ماشاء اللہ تدبیر تو آپ نے اچھی نکالی۔ مٹھو اس وقت خوب ہی ہاتھ لگ گیا۔ واقعی نزلہ بر عضوِ ضعیف می ریزد۔ آپ کا وہ 'واسطہ' اس طرح فدیہ نہ ہوتا تو خدا نہ کردہ آپ کے دشمنوں کی جان ہی پر بن جاتی۔ لیکن 'خبر کسے گرفتن و تدبیرِ کسے کردن، کارِ بزرگان بنیست۔

آغا۔ مگر بہ جز ان تدبیر چارہ نہ بود۔ آپ للّٰہ اس پر غور نہ فرمائیے کہ ظاہر یک حرکت وحشیانہ کا مرتکب ہوا۔ واللہ دل نازک دارم۔ ماشعراء قضی القلب نمی شویم۔ ہم لوگ جانورن (جانوران) کو بھی مثلِ الناس (انسان) پیار کرتے ہیں۔

میاں:۔ نہیں۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ آپ کو تو اپنی نجات کے لئے آخر کچھ کرنا ہی تھا۔ لیکن مجھے رہ رہ کر اس کا خیال آرہا ہے کہ آپ کی 'ملکہ آتینی' اپنے مٹھو کی عاشق تھی اس واقعہ کے بعد اس کے دل نازک پر کیا گذری ہوگی!

آغا:۔ (کسی قدر گھبرا کر) :۔ "البتہ آغا درست فرمودید۔ ومی نے اس کو فراموش نہیں کیا تھا۔ عرض کردہ ام کہ خیلے متاثر بودم۔ لاکن آغا اس پر غور فرمائیے کہ برائے بدست کردن دیکچا نا۔ بنا نا) خاگینہ۔ آخر تخم مرغ را می شکینم۔ حالنکہ (حالاں کہ) خوب میدانم کہ از نگاہ

داشتن تخم (انڈا) امید جوجہ (چوزہ) ست وبزرگی (برتری) جوجہ بر خاگینہ ظاہر! و علاوہ بر اِن (ایں) در موقعۂ جنگ وعشق، آقا ہمہ فعل جائز است۔ و اُن وقت بلائے ہر دو بر سر واللہ! آقا۔ آخر ما بشر بودیم۔ یا نہ؟ شما کہ آقائے من ہستید۔ مہربان و ہمدرد، یا ہستید آخر بہ فرمائید چہ می کردم؟ فتوئی می دہید کہ ظاہر خود رامی کشت ان وقت؟

میں:۔ نہیں۔ یہ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جب دھوپ سے 'بندریا' کے چوتڑ جلتے ہیں تو وہ آخر اپنے گود کے بچہ کو نیچے رکھ کر اس پر بیٹھ جاتی ہے اور اس کی ذ فتیں فتیں قیں میں کی بھی اس وقت مطلق پروا نہیں کرتی۔ حالانکہ کسی اور وقت اگر ابھی بچہ کی طرف کسی اور نظر سے دیکھئے تو بندریا، کھوکھیا کے فوراً آ لپکے اور بس ہو تو آپ کی بوٹی اتارلے!

آغا:۔ (اپنے کلمہ کی انگلی اٹھا کر):۔ واللہ انصاف کردید زندہ باشید۔ زندہ باشید۔ بس آغا تو اس وقت میں بھی گویا یک 'شادی' 'دمیوں'۔ بندرا! تھا! **میں**: معقول لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ آپ کی جگہ میں ہوتا تو ہر آج سے بدلا لیتا۔ جس تخم جہاں پاک، ! **آغا** (جلدی سے):۔ "واللہ خوب فرمودید۔ اُن سیہ کار البتہ واجب القتل بود وما ہم در فکر او بودیم۔ لاکن آغا وو (وہ) یک مرد بی کار و بی شغل تھا۔ و بہ ایں سبب ان خبیثِ حرام خور شل یک

گاؤپرواری، شدہ بود۔ واللہ۔ وماکہ ان طرف در آتشِ عشق، کباب شدہ بودیم وان طرف کثرت محنت ودماغ سوزی سوختہ جن (جان)۔ آقا۔ شعر گفتن کہ شوخی نیست! واللہ۔ کاری۔ (کارے) ست کہ فیلِ جنگی رامور می نماید آقا۔ مقام انصاف ست چہ طور"سراج" پلید (بھتنا) را زیر می کردم"؟ بیلی:۔ میرا مقصود اس سے یہ نہ تھا کہ آپ اپنے رقیب سے کشتی لڑتے۔ نہیں۔ بلکہ تدابیر سے کام لیکر اس شوالیئی شکست دیتے کہ "منو" کو ملکہ تک پہنچا دیتے کی کافی سزا مل جاتی اور وہ اس کو ہمیشہ یاد رکھتا! اگر یہ تدبیر بھی بن نہ آتی تو خیر، اس اپنے دوسرے دشمن، "منو" ہی سے آپ انتقام لیتے۔ لیکن غریب "مٹھو پیارے" کا کیا قصور تھا۔ فرمائیے تو اس کا خونِ ناحق کس کی گردن پر رہا؟ آغا (ذرا سنبھل کر):۔ "خدا بہ بخشد مرا" لاریب ہم "منو" کو ضرور کشتہ کر سکتے تھے۔ حالا بہ اُن درجہ از اُن خائف ہم نہ بودم۔ آقا۔ یاد دارید بعرکۂ ہوتل؟ چہ طور آن پدرِ نامرد راشکست دادم! و اس موقعہ پر بھی ہم وہی شجاعت دکھا سکتے تھے۔ لیکن آقا از شما پوشیدہ

۱؎ گاؤپرواری۔ فارس میں دستور تھا کہ بعض خاص قسم کی گایوں کو پرورش کر کے ایسا تیار کر دیتے تھے کہ وہ سانڈ کا مقابلہ کرتی تھیں۔

نیست کہ بندہ شاعر ہے! و دل شاعر تا وقتیکہ در ہیجان نمی آید و ود (وہ) کوئی فعل کر نہیں سکتا۔ در ہوٹل دل من دفعتہً مثلِ یک کوہِ آتشِ عشق (فشاں) ترکید (پھٹا) وکاری (کارے) کردم کہ شما بہتر می دانید۔ لاکن اس موقعہ پر آغا دلِ من متوجہ بہ بازیگری بود وآنچہ فرمود وہدایت کرد بجا آوردم۔ کیونکہ آغا دل شاعر آخر کتابِ غیب، کا حکم رکھتا ہے!" میں:۔ ایکاش پھر دل جوش مارتا اور آپ کو امر صحیح کی طرف لے جاتا جس سے غریب دمٹھو، بیارے کی جان تو بچ جاتی اور اب تو۔ مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد"!!